# اختتامِ بخاری شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ

وَ بِالسَّنَدِ الْمُتَّصَلِ مِنِّىْ اِلَى الْاِمَامِ الْهُمَّامِ يَقُوْلُ الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ ذُوالْفِقَار اَحْمَدَ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذُ حَافِظُ الْقُرْآنِ وَ الْحَدِيْثِ مَوْلَانَا مُحَمَّدٌ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ اَمِيْر قَالَ حَدَّثَنِىْ حَضْرَةُ الْاُسْتَاذِ مَوْلَانَا شَيْخُ مُحَمَّدٌ مَالِكْ كَانْدِهلَوِىْ نَوَّرَاللّٰهُ مَرْقَدَهٗ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدٍ اِدْرِيْسْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ مُحَمَّدٍ اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِىْ عَلِيُّ بْنُ الظَّاهِرِ الْوِتْرِىْ الْمَدَنِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ عَابِدْ قَالَ حَدَّثَنِىْ صَالِحُ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ سَنَةَ الْعُمْرِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ الْعَجَلِىْ قَالَ حَدَّثَنِىْ قُطْبُ الدِّيْنَ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِىْ الْمُعَمَّرُ الشَّيْخُ يُوْسُفُ هَرَوِىْ الْمَشْهُوْرُ بِسَهْ صَدْ سَالَه قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ شَاذْ قَالَ حَدَّثَنِىْ يَحْيٰى بْنُ عَمَّار قَالَ حَدَّثَنِىْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفُ الْفِرَبْرِىْ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَّاسِعَةً قَالَ حَدَّثَنِىْ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْحُجَّةُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْحَدِيْثِ وَ سَيِّدُ الْمُحَدِّثِيْنَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُغِيْرَةَ الْجُعْفِىُّ الْبُخَارِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ (الانبیاء:۴۷) وَ اَنَّ

أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَ قَوْلَهُمْ يُوْزَنُ وَ قَالَ مُجَاهِدُ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَ يُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَ هُوَ الْعَادِلُ وَ أَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

بخاری شریف کی آخری حدیث مبارکہ کی تلاوت ہوئی:

((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))

اس حدیث مبارکہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزنِ اعمال کا ذکر کیا ہے۔

## قرآن وحدیث میں متاخرین کی تعریف:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سورۃ زمر نازل ہوئی تو ہم کچھ لوگ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے تو اس آیت کے متعلق بات چلی:

﴿ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾

''اوران میں سے بعد کے کچھ لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے''

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو امی لوگوں میں بھیجا، بعض آنے والے ایسے بھی تھے جو ابھی ان سے ملحق نہیں ہوئے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! وہ کون لوگ ہیں؟ نبی علیہ السلام خاموش رہے۔ پھر دوبارہ پوچھا، نبی علیہ السلام پھر خاموش رہے، تو جب تیسری مرتبہ پوچھا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، نبی علیہ السلام نے ان پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

(( لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ مِنْ اَبْنَاءِ الْفَارِسِ ))

''کہ اگر ایمان ثریا پر ملتا تو ابنائے فارس کے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ اس کو حاصل کرنے کے لیے وہاں بھی پہنچ جاتے''

مسند احمد کی روایت ہے، اس میں فرمایا:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ عِنْدَ الثُّرَيَّا

گویا ایک حدیث مبارکہ میں ایمان کا تذکرہ ہے، دوسرے میں علم کا تذکرہ ہے۔ تابعین کے دور میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو محنت تھی اس کا خوب فیض پھیلا حتیٰ کہ علمائے امت اس پر متفق ہوئے کہ اس حدیث کا مصداق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''تبییض الصحیفہ'' میں اس کو باقاعدہ لکھا ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

تاہم یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف میں دو جگہ آئی ہے، ایک روایت میں لفظ رجل ہے مفرد کا اور دوسری روایت میں رجال ہے جمع کا۔ جبکہ حدیث کی باقی کتابوں میں بھی یہی حدیث آئی ہے، وہاں پر ناس کا لفظ بھی ہے، رجال کا لفظ بھی ہے۔ کیونکہ جمع کا صیغہ ہے اس لیے متاخرین علما نے اس میں کشادگی کر دی اور فرمایا کہ اس سے مراد فقہا اور محدثین کی ایک جماعت ہے جن کے کام کو اللہ کی طرف سے قبولیت

ہوئی۔لیکن حافظ ابونعیم نے اس کی تخریج کی تو اس حدیث میں انہوں نے چند الفاظ اور بھی ذکر کیے کہ وہ لوگ کون ہوں گے؟

(( وَ يُكْثِرُوْنَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ )) (بخاری۔مسلم ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ،نسائی)

''وہ مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھنے والے ہوں گے''

اب اگر فقہا اور محدثین ان کی محنت کا موازنہ کریں تو نسبتاً محدثین کو درود شریف پڑھنے کا زیادہ موقعہ ملتا ہے تو اس سے محدثین مراد ہوئے۔چنانچہ علما نے لکھا ہے اس سے مراد وہ محدثین ہیں جن کے کام کو اللہ کی طرف سے قبولیت ملی۔چنانچہ چھ (٦) کتابیں ایسی ہیں حدیث پاک کی جن کو صحاح ستہ کہتے ہیں، ان کے کام کو اللہ نے ایسی قبولیت بخشی کہ آج کوئی آدمی ان کو پڑھے بغیر عالم نہیں کہلاتا۔تو اس سے مراد وہ محدثین ہیں۔

## صحاحِ ستہ کے مؤلفین سب عجمی تھے:

اور یہ عجیب بات ہے کہ ان صحاح ستہ کے مؤلفین جتنے بھی ہیں وہ سب کے سب عجمی ہیں۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عجمی، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ عجمی، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ عجمی، ابوداود رحمۃ اللہ علیہ عجمی، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ عجمی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عجمی، تو یہ چھ کے چھ حضرات جن سے اللہ نے یہ کام لیا یہ عجمی لوگ تھے۔کیا عجیب بات ہے کہ دین اترا عربوں کے اوپر لیکن اخلاص جس کے پاس ہو تو عرب ہو یا عجم اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت ہے۔

## امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فارسی النسل تھے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو فارسی النسل تھے۔ان کے نام کے ساتھ جو الجعفی آتا ہے، یہ

اصل میں تو یمن کا ایک قبیلہ تھا مگر اس وجہ سے ان کو جعفی نہیں کہتے بلکہ ان کے دادا پڑدادا جو مغیرہ تھے، وہ بخارا کے والی کے ہاتھ پر اسلام لے آئے تھے، جس کے ہاتھ پر ایمان لائے اس کا نام تھا یمان بن احمد جعفی۔ تو ولاء اسلام ہونے کی وجہ سے اب ان کے نام کے ساتھ بھی جعفی لگا۔ ولاء اسلام یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اس کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو جب وہ فوت ہوگا تو جس کے ہاتھ پر وہ ایمان لایا وہ اس کا وارث کہلائے گا۔

چنانچہ جعفی کا نام وہاں سے ان کے ساتھ شروع ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فارسی النسل تھے۔ بلکہ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ بخاری شریف میں ایک جگہ وہ ایک ایسا لفظ لکھ گئے جو فارسی کا تھا۔ کتاب الحج صفحہ نمبر ۲۲۶ پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَيُزَادُ فِي هٰذَا الْبَابِ هُمْ هٰذَا الْحَدِيْثُ حَدِيْثُ مَالِكٍ عَنْ اِبْنِ شِهَابٍ

اس میں یہ جو "ہم" کا لفظ استعمال ہوا یہ بنیادی طور پر فارسی کا لفظ ہے۔ جیسے کہتے ہیں: ہم مسلک، ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم خرما و ہم ثواب، تو یہ "ہم" کا لفظ بنیادی طور پر فارسی کا لفظ ہے، مگر وہ یہ لفظ یہاں لکھ گئے۔ اور یہاں ان کے لکھنے کا جو اصل مقصود تھا وہ یہ کہ

وَلٰكِنِّي أُرِيْدُ أَنْ أُدْخِلَ فِيْهِ غَيْرَ مُعَادٍ

"کہ اس باب میں، میں ایسی حدیث لانا چاہتا ہوں کہ جو مکرارات میں سے نہ ہو۔"

یعنی امام بخاری مزاجاً سند اور متن کے تکرار کے ساتھ حدیث کو دوبارہ لانے کو

پسند نہیں فرماتے تھے کہ اگر دوبارہ حدیث لائیں تو یا سند مختلف ہو یا متن میں کہیں اضطرار ہو پھر اس کو دوبارہ لایا جائے، تو مکررات سے بچتے تھے۔

تاہم علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ ارشاد الساری میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کا ذکر فرمایا، جس میں لکھا کہ اکیس مکررات ہیں جو سند اور متن میں موافق ہیں۔ علامہ قسطلانی نے اس میں ایک روایت کا اور اضافہ فرما دیا تو تعداد بائیس ہوگئی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس مدظلہ جو سہارنپور کے شیخ الحدیث ہیں انہوں نے اس میں ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) روایات کا اور اضافہ کیا تو کل تعداد ایک سو پچاس ہوئی جو متن اور سند کے ساتھ مکرر ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام حدیث کے مجموعے کو اکٹھا فرما دیا اور اس کا نام رکھا

"ارشاد القاصد الی ما تکرر فی البخاری باسناد الواحد"

## صحیح ترین مجموعۂ احادیث:

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اخلاص تھا کہ بخاری شریف کو اللہ نے ایسی پذیرائی بخشی کہ عجمیوں کا تو کیا کہنا عربوں نے بھی اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہ نہیں کہ عقیدت کی وجہ سے اس کو قبولیت ملی بلکہ جو ماہرین فن تھے انہوں نے تنقید کی خوردبین لگا کر ایک ایک حدیث کے متن اور سند کو دیکھا۔ جیسے بندہ خوردبین لگا کے کسی چیز کو دیکھتا ہے تا محدثین نے اس طرح چھان پھٹک کی ایک ایک حدیث کے بارے میں۔ اور بالآخر وہ اس بات پر متفق ہوئے یہ کتاب

أَصَحُّ الْكِتَابِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ

"اللہ رب العزت کی کتاب کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ان چھ لاکھ احادیث میں سے

انہوں بخاری شریف کی احادیث کو چنا اور اچھی طرح ایک ایک راوی کو دیکھا، اس کے متن کو دیکھا، حتیٰ کہ دل کو تسلی ہو گئی۔ صرف اس پر اکتفا نہیں کیا، جب تسلی ہو گئی تو پھر رجوع الی اللہ کی کیفیت کے ساتھ ہر حدیث لکھنے سے پہلے وہ غسل فرماتے تھے اور ریاض الجنۃ کے اندر دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ استخارہ فرماتے تھے تاکہ اللہ رب العزت کی طرف سے قلب کے اندر ایک انشراح آجائے، جب طبیعت میں پورا انشراح ہوتا تھا تب جا کر اس حدیث پاک کو قلم بند فرماتے تھے۔

چنانچہ علما جرح و تعدیل نے پوری چھان پھٹک کے بعد اس بات کو تسلیم کر لیا کہ امام بخاری کا یہ جو مجموعہ ہے یہ اس وقت دنیا میں احادیث نبوی کا سب سے زیادہ صحیح ترین مجموعہ ہے۔

## صحیح بخاری کی مقبولیت:

پھر اللہ رب العزت کی طرف سے اسے قبولیت ایسی ملی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ساٹھ ہزار طلبا کو یہ کتاب پڑھائی۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے کہ ساٹھ ہزار طلبا کو خود بخاری شریف پڑھائی۔ چنانچہ ابو زید مروزی رحمۃ اللہ علیہ وہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان تھوڑی دیر کے لیے سو گئے، فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"یَا اَبَا زَیْدٍ اِلیٰ مَتٰی تَدْرُسُ کِتَابَ الشَّافِعِی وَ مَا تَدْرُسُ کِتَابِی"

وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے تھے اور درس دیتے تھے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کب تک امام شافعی کی کتاب کو پڑھائے گا میری کتاب کو کیوں نہیں پڑھاتے۔

وہ پوچھتے ہیں کہ

مَا کِتَابُکَ؟

اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کی کتاب کون سی؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ جَامِعُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمٰعِیْلَ الْبُخَارِی

''فرمایا کہ محمد بن اسماعیل بخاری کا مجموعہ''

امام حرمین نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ غیر نبی کا خواب حجت شرعیہ نہیں ہوتا صرف استیناس کی وجہ سے اس واقعے کو بیان کر دیا تا کہ پتہ چلے کہ اللہ کے ہاں اس کی کیا قبولیت ہے۔

بخاری شریف کی جہاں اور ساری فضیلتیں ہیں وہاں ایک فضیلت یہ ہے کہ ایک بزرگ تھے جنہوں ''دلیل الفالحین'' کتاب لکھی ان کا نام تھا شیخ محمد علی صدیقی مکی رحمہ اللہ۔ ۱۰۴۰ھ میں انہوں جوف کعبہ کے اندر بیت اللہ کے اندر بیٹھ کر شروع سے آخر تک پوری بخاری شریف کی تلاوت کی۔ اللہ کی ہاں سے کیسی قبولیت ہوئی کہ بیت اللہ کے اندر بیٹھ کر اس کے ایک ایک لفظ کی تلاوت ہوئی۔

## تراجمِ ابواب کے معارف:

امام بخاری رحمہ اللہ کی جو کتاب ہے، اس میں جو امام صاحب نے تراجم قائم کیے ہیں وہ ان کی عظمت کی پکی دلیل ہے۔ کتب ستہ میں امام مسلم رحمہ اللہ نے تو فقط احادیث کو یکجا کر دیا، انہوں نے تراجم قائم نہیں کیے۔ جو باقی کتب خمسہ کے حضرات تھے، انہوں نے تراجم تو قائم کیے لیکن بخاری شریف خود اَدَقُّ التَّرَاجِم (سب سے زیادہ دقیق تراجم) ہے۔ معارف سے بھرپور، معانی سے بھرپور، بخاری شریف کے تراجم ہیں۔ اس لیے مشہور مقولہ ہے کہ

فِقْهُ الْبُخَارِیْ فِیْ تَرَاجِمِهٖ

''امام بخاری کی فقہ وہ ان کے تراجم سے ظاہر ہوتی ہے''

علمائے امت ایک ہزار سال سے اس تراجم کے دریا کے اندر غوطہ زن ہیں اور علوم ومعارف کے موتی نکال رہے ہیں۔آج تک کوئی محدث ایسا نہیں کہ جس نے دعویٰ کیا ہو کہ میں نے تمام موتیوں کو حاصل کرلیا ہے، یہ سلسلہ ابھی چلتا رہے گا۔حتیٰ کہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبال العلم حضرات، وہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف کے بعض مقامات ایسے ہیں کہ جنکی گہرائی تک ابھی کوئی رسائی حاصل نہیں کرسکا۔علمانے جو کچھ کہا وہ سب تخمینات ہیں،اصل مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔

## آخری کتاب کونسی ہے؟

اب یہاں پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ بخاری شریف کی ابتدا کتاب الایمان سے ہوئی، آخری کتاب کون سی ہے؟ تو بعض نے کہا کہ'' کتاب التوحید'' ہے اور بعض نے اختلاف کیا۔

## پہلی رائے:

چنانچہ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخری کتاب '' کتاب الاعتصام باالکتاب والسنۃ'' ہے۔تو اس پر اعتراض ہوا کہ آخری کتاب تو '' کتاب التوحید'' ہے جس میں انہوں نے فرمایا: و الرد علی الجھمیہ۔تو اس کا جواب محدثین نے یوں دیا کہ آخری کتاب تو اصل میں ہے'' کتاب الاعتصام باالکتاب والسنۃ'' اور کتاب التوحید اس کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

## دلیل ۱:

اس پر انہوں بڑی مضبوط دلیل قائم کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جب کوئی کتاب عادتاً لکھتے تھے تو اس میں وہ اس کی ضد کا بھی تذکرہ کرتے تھے۔

مثال کے طور پر:

⊙ کتاب الایمان میں امام بخاری نے تذکرہ کیا:

**كُفْرٌ دُوْنَ الْكُفْرِ،**

**اَلْمَعَاصِيْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ،**

**ظُلْمٌ دُوْنَ الظُّلْمِ،**

**عَلَامَةُ الْمُنَافِقِ،**

ہے کتاب الایمان لیکن اس میں اضداد کا بھی تذکرہ کر دیا وَ بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایمان کے باب میں اس کی ضد کا بھی تذکرہ کر رہے ہیں۔

⊙ اسی طرح کتاب العلم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

**رَفْعُ الْعِلْمِ وَ ظُهُوْرُ الْجَاهِلِيَّةِ**

اس میں ضد کا تذکرہ آ گیا۔

⊙ کتاب الاستسقاء جس میں بارش کی دعا کا تذکرہ ہے، وہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قحط سالی میں جو بددعا ہوئی مشرکین کے بارے میں اس کا بھی تذکرہ کر دیا۔

تو معلوم ہوا کہ عادتاً کتاب میں ضد کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں، لہٰذا اصل کتاب تو ہے ''کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' اور چونکہ ابواب البدعۃ اس کی ضد بنتے ہیں اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تتمہ اور تکملہ کے طور پر یہاں ذکر کر دیا اور کتاب الرد علی الجهمیه و غیرهم کا عنوان قائم کیا، کیونکہ ان کی عادت مستمرۃ یہی تھی۔

## دلیل ۲:

دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ آغازِ کتاب میں ''وحی الٰہی'' یعنی کتاب اللہ کا تذکرہ اور آخری کتاب میں ''اعتصام بالکتاب والسنۃ'' سبحان اللہ۔ وَنِعْمَتِ الْبِدَایَۃُ وَ نِعْمَتِ النِّھَایَۃُ کتنی اچھی ابتدا اور کتنی اچھی انتہا۔

## دوسری رائے:

جو شارحین یہ کہتے ہیں کہ نہیں! آخری کتاب، کتاب التوحید ہے، تو ان کے دلائل یہ ہیں:

## دلیل ۱:

ابوحفص العمر رحمہ اللہ جو ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے شیخ تھے، وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت آبرو کی حفاظت اور عذاب سے بچاؤ خود توحید کے اندر ہے، جو مواحد ہوگا عذاب سے بھی وہی بچے گا اور اسی کی عزت بھی محفوظ ہوگی۔ تو اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے آخری کتاب، کتاب التوحید کو قرار دیا کہ اس کو اپنانے سے تم دنیا اور آخرت کی تمام مصیبتوں سے بچاؤ حاصل کر سکتے ہو۔ تو بات تو ٹھیک ہے کہ اللہ رب العزت ہر اس بندے پر رحمت فرمائیں گے جس کی موت توحید پر ہو، فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النسآء:۱۱۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کریں گے اس کے علاوہ وہ جو چاہیں گے معاف کریں گے''

## توحید دھوبن سے سیکھی:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے توحید ایک دھوبن سے سیکھی۔ کیسے؟ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکان کی چھت پر تھا تو ہمسائے کے گھر میں تھوڑا شور ہوا تو میں نے ذرا سنا کہ کیا مسئلہ ہے؟ تو پتہ چلا کہ بیوی اپنے خاوند سے لڑ رہی تھی۔ خاوند دوسری شادی کرنا چاہتا تھا اور بیوی کہہ رہی تھی کہ دیکھ میں نے تیرے گھر میں تنگی برداشت کی، بھوک برداشت کی، تنگ دستی برداشت کی، میں نے تیری خاطر کتنی تنگیاں اور پریشانیاں برداشت کیں میں اور بھی زیادہ برداشت کرسکتی ہوں لیکن اگر تو چاہے کہ میرے سوا تو کسی اور سے نکاح کرلے تو مجھے تیری یہ بات قابل قبول نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید پر نظر دوڑائی تو میری نظر اس آیت پر آکر نظر ٹک گئی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (النسآء:۱۱٦)

میرے بندے جو بھی گناہ کرو گے دنیا میں ہر ہر گناہ کو معاف کرسکتا ہوں لیکن اگر تم شرک کرو گے تو اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ ایک عورت جو اپنے سوا کسی دوسرے کی محبت کو برداشت نہیں کرسکتی، اللہ رب العزت جو احکم الحاکمین ہیں، رب العالمین ہیں وہ شرک کو کیسے گوارا فرماسکتے ہیں؟ اس لیے جو توحید پر قائم رہا اللہ رب العزت اس کے اوپر خاص رحمت کی نظر فرمائیں گے۔

اور عام طور پر دیکھا گیا کہ عورت اگر کردار کی اچھی ہو اس کی ہر غلطی کو خاوند برداشت کرجاتا ہے کردار کی غلطی برداشت نہیں کرسکتا۔ مشہور بات ہے، کسی عورت کو خاوند نے کہا تھا کہ تم نہ شکل کی اچھی نہ عقل کی اچھی، نہ بڑے خاندان کی، نہ کوئی ہنر

تمہارے پاس ہے، تمہارے اندر کیا خوبی ہے؟ تو عورت نے ساری بات کو سن کے کہا:۔

نہیں کوئی اوقات اوگن ہار دی
جیہو جئی وی ہاں میں ہاں سرکار دی

میں جیسی بھی ہوں آپ کی ہوں، خاوند کو اس کی یہ بات اچھی لگی، اس نے اس کی ہر غلطی کو معاف کر دیا، اس لیے توحید بنیاد ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نچوڑ اور لب لباب آخر پر کتاب التوحید کو بنایا۔

### دلیل ۲:

پھر دوسری دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ دین کی بنیاد ایمان پر ہے۔ اب ایمان کے دو پہلو ہیں، دو انداز میں گفتگو ہو سکتی ہے۔ ایک ایجابی پہلو اور ایک سلبی پہلو۔

جیسے کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں اور کچھ کام نہ کرنے کے ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ کرنے کے کام تھے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے کتاب میں بتا دیے اور کچھ نہ کرنے کے کام تھے وہ ''ابواب البدعۃ'' کا باب قائم کر کے بتا دیے کہ بھئی دیکھو! ان کو کرنا ہے اور ان سے تم نے بچنا ہے۔ اس لیے فرقۂ باطلہ سے بچنا ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔

## کتاب التوحید کے ساتھ باب وزن اعمال کی مناسبت:

اب یہاں پر ایک اور بات ذہن میں آتی ہے کہ کتاب التوحید اگر آخری کتاب ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزنِ اعمال کا جو باب قائم کیا اسکی پھر اس سے کیا مناسبت ہوئی؟ کہ اگر کتاب التوحید ہے تو پھر باب جو اس کے اندر ذکر کیا اس کی کوئی مناسبت تو ہونی چاہیے نا۔ تو اس باب کی مناسبت کیا ہے؟ تو اس میں کچھ باتیں ذہن میں

رکھیے!

......اللہ رب العزت کی جو صفات ہیں وہ دو طرح کی ہیں، جیسے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمٰن:۷۸)

تو ذی الجلال و الاکرام دو صفات ہیں۔ کچھ صفات ہیں جو جلال سے متعلق ہیں اور کچھ وہ صفات ہیں جو اکرام سے متعلق ہیں۔ تو بعض صفات کو صفات ثبوتیہ کہا اور دوسری کو صفات سلبیہ کہا۔ صفات ثبوتیہ وہ صفات ہیں جو ذات سے متعلق ہیں، چنانچہ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، یہ صفات ثبوتیہ کہلائیں گی اور صفات سلبیہ وہ ہیں جو افعال کے متعلق ہیں، جن میں کچھ لینا دینا پایا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ معطی ہیں تو مانع بھی ہیں، دیتے بھی ہیں تو نہیں بھی دیتے، محی (زندہ کرنے والے) ہیں تو ممیت (مارنے والے) بھی ہیں، نافع (نفع دینے والے) بھی ہیں تو ضار (تکلیف دینے والے) بھی ہیں۔ تو یہ صفات سلبیہ کہلاتی ہیں۔ تو دو طرح کی صفات ہوئیں، صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ۔ اب وزنِ اعمال کیونکہ صفات افعال میں سے ہیں، اللہ کا ایک فعل ہے کہ وہ وزن فرمائیں گے۔ اس لیے صفات افعال میں سے ہونے کی وجہ سے اب اس کو کتاب التوحید کے ساتھ مناسبت ہوگئی۔

......شیخ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس میں تلاوت اور متلو کے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس امت میں ایک ایسا باطل فرقہ بھی گزرا ہے جو عقل پرست تھا، جو عقل کی پوجا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا: جو بات عقل کی سمجھ میں آجائے وہ قبول کرلو اور جو عقل کی سمجھ میں نہ آئے اس کو رد کردو۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہر عامی بندے کو جو عمل کرنا ہے اس کو علتِ حکم معلوم ہونی چاہیے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آئی

کہ اللہ رب العزت کا جو کلام ہے وہ مخلوق ہے، حادث ہے۔ جب کہ علمائے اہل سنت ،ہم سب کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ غیر مخلوق ہے۔ لہٰذا یہ ایک سلسلہ چل پڑا۔ اللہ نے ہر دور کے اندر دین کی حفاظت کے لیے کچھ رجال کھڑے کر دیے جو جبال کی مانند تھے۔ انہوں نے مشقتیں اٹھائیں، تکلیفیں اٹھائیں، مگر انہوں نے دین کا دفاع کیا۔ چنانچہ یہ جو مسئلہ خلق قرآن کا تھا، اس بارے میں اللہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو قبول کر لیا۔ واقعہ عجیب ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا جس میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((بَشِّرْ اَحْمَدَ عَلٰی بَلْوٰیٍ تُصِیْبُہٗ))

''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بشارت دے دو ایک مصیبت کی جو اسے پہنچے گی''

تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کے سامنے اس خواب کا اظہار کیا کہ بھئی! کوئی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بات پہنچا دے۔ چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر سنائی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کی طرح کہ جیسے ان کے سامنے توبہ کی قبولیت کی خبر آئی تھی تو انہوں نے خبر دینے والے بندے کو اپنا کرتہ ہدیے کے طور پر پیش کر دیا تھا، تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی فرمایا کہ اپنا کرتہ امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دیا۔ وہ لے کر آئے اور انہوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی! یہ کرتہ آپ کا حق ہے لیکن اس کا عصاری ہمیں دے جاؤ۔ عصاری کہتے ہیں نچوڑے ہوئے پانی کو، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے کرتے کو پانی میں ڈالا گیا اور نچوڑا گیا تو وہ نچوڑا ہوا پانی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لے لیا اور کتابوں میں لکھا ہے کہ کچھ پانی انہوں پیا

اور کچھ پانی انہوں اپنے اوپر بدن پر ملا برکت کے حصول کے لیے۔ آج کچھ ایسے لوگ ہیں جو برکت کو نہیں مانتے، بیچارے جاہل ہیں یا متجاہل ہیں۔ برکت کا تذکرہ تو حدیث سے بھی اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی کچھ بچی ہوئی چیزیں تھیں مستعمل چیزیں، تو فرشتے ان کو ایک طابوت کے اندر لے کر آئے۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں:

﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ وَّ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ (البقرۃ:۲۴۸)

تو بھئی! یہ سکینہ کیا چیز تھی اگر کوئی پوچھے کہ سکینہ کس کو کہتے ہیں؟ اسی برکت کو کہتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اہل اللہ کے استعمال میں جو چیزیں ہوتی ہیں، وہ بھی برکات سے بھر جاتی ہیں۔ لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل کہ انہوں نے اس پانی کو پیا بھی سہی اور اس کو پھر اپنے بدن کے اوپر بھی ملا، پھر اس کے بعد وہ وقت آیا کہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس اختلاف کے اندر گرفتار ہوئے۔ وقت کا بادشاہ وہ اس عقیدے میں، ان کا مخالف تھا اور وہ چاہتا تھا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو قبول کر لیں۔ لیکن وہ حق کے اوپر جمے رہیں تو حاکم نے فیصلہ کیا کہ ان کو کوڑے لگائے جائیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا گیا، جب گرفتار کر کے لا رہے تھے تو امام احمد فرماتے ہیں کہ پیچھے سے کسی نے میرے کرتے کو کھینچا، میں نے مڑ کر دیکھا تو وقت کا مشہور ڈاکو ابو الحکیم تھا جو توبہ تائب ہو چکا تھا، نیک ہو چکا تھا۔ میں نے پوچھا کہ ابو الحکیم! میرے کرتے کو کیوں کھینچا؟ کہنے لگا کہ حضرت! سرکاری ریکارڈ میں یہ بات موجود ہے کہ مجھے چوری کی سزا میں اس وقت تک اٹھارہ ہزار کوڑے لگ چکے ہیں اور

میں نے دنیا کے مال کی وجہ سے اور انا کی وجہ سے کبھی ان کے سامنے جھکاؤ اختیار نہیں کیا اور آپ تو دین کی وجہ سے سٹینڈ لے رہے ہیں تو آپ کوڑوں سے نہ ڈرنا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک ڈاکو کی بات نے میرے دل کو مضبوط کر دیا۔

بادشاہِ وقت نے ان کو کوڑے لگانے کا حکم دیا، کوڑے لگانے والے اتنے تھے کہ ایک بندہ آتا تھا، ایک وقت میں صرف دو کوڑے لگاتا تھا یعنی اس کو یہ حکم تھا کہ تم نے پورے زور سے کوڑے مارنا ہے صرف دو کوڑے مار کے الگ ہو جاتا تھا پھر تازہ دم بندہ آتا تھا اتنے کوڑے مارے گئے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی پیٹھ کے اوپر قیمہ بن گیا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہر کوڑا کھانے کے بعد یہ فرماتے تھے:

﴿اَعْطُوْنِیْ شَیْئًا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلُ بِہٖ﴾ (البقرۃ:۲۴۸)

''مجھے اللہ کی کتاب اور نبی علیہ السلام کی سنت میں سے کوئی دلیل دو تاکہ میں تمہارے مطابق بات کروں''

اٹھائیس مہینے قید رہے مگر اس کی برکت یہ ہوئی کہ جہاں قربانی ہوتی ہے پھر اس کے بعد اللہ کی مہربانی بھی ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ خلقِ قرآن ہمیشہ کے لیے ختم، اللہ نے یہ سعادت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائی۔

لیکن مختلف ادوار میں حالات ادلتے بدلتے ہیں اللہ کی شان دیکھیں کہ ایک تو یہ دور تھا کہ لوگ قرآن مجید کو بھی مخلوق کہتے تھے، پھر بعد میں ایک ایسا فتنہ آیا کہ وہ کہنے لگے کہ نہ قرآن مخلوق ہے نہ ہماری تلاوت مخلوق ہے، چنانچہ متلو اور تلاوت دونوں کے مخلوق ہونے کا انکار۔ پہلے ایک Extreme (انتہا) اب دوسری انتہا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو قبول فرمایا اور انہیں اس کے لیے

بڑی قربانیاں دینی پڑیں۔ مشقتیں اٹھانی پڑیں، وطن سے بے وطن ہونا پڑا حتی کہ جب ان کو بخارا سے حاکم شہر نے نکال دیا۔ تو ان کا جی چاہتا تھا کہ میں سمرقند چلا جاؤں تو علمائے سمرقند نے پہلے ہی پیغام بھجوا دیا کہ ہم آپ کو اپنے شہر میں قبول نہیں کرتے، غریب الدیار ہو گئے۔ ایک گاؤں جس کا نام خرتنگ تھا، اس میں ان کی خالہ رہتی تھیں۔ یہ سمرقند سے کوئی ۲۲ میل کے فاصلے پر جگہ تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا آخری زندگی کا وقت وہاں تنہائی کے اندر گزرا اور بالآخر اللہ کو پیارے ہو گئے۔

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت اور متلو کے فرق کو ثابت کرنے کے لیے کتاب التوحید کے آخر میں کئی ابواب قائم کیے اس میں سے ایک باب وزنِ اعمال والا بھی ہے۔ وہ کیسے کہ قیامت کے دن اعمال کا وزن ہو گا تو اعمال میں تلاوت بھی تو ہے تو تلاوت کا بھی وزن ہو گا۔ تو جب تلاوت کا وزن ہو گا تو پھر یہ مخلوق چیز ہوئی نا۔ وہ جو متلو اور تلاوت کے غیر مخلوق ہونے کی بات تھی اس کو انہوں نے کتنے اچھے طریقے سے توڑ دیا۔

⊙...... چنانچہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کتاب التوحید میں صفات الٰہی شامل ہیں پس صفت کلام اور کلام اللہ کے مباحث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو ختم فرمایا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ تو یوں لکھے کہ "کتاب التوحید ورد علی الجهمية و غيرهم" لیکن حقیقت میں اس میں سارے باطل فرقوں کا رد ہے، چاہے وہ معتزلہ ہوں چاہے قدریہ ہوں۔ ان سب کی تردید اس میں موجود ہے، لہٰذا باب کی مناسبت ظاہر ہے۔

## باب "وزنِ اعمال" کو آخر پر لانے کی وجوہات:

ایک اور سوال طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ باب جو وزنِ

اعمال لایا ہے اس کو سب سے آخر میں لانے میں کیا حکمت تھی؟ تو اس پر بھی محدثین نے بہت علمی نکات بیان کیے ہیں۔

⊙......انہوں نے فرمایا کہ باب میں وزنِ اعمال کا ذکر ہے اور وزن ہوگا آخرت میں کیونکہ آخرت میں معاملہ پیش آئے گا۔ اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب کے آخر میں اس پر قلم بند کیا۔

⊙......حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس مدظلہ فرماتے ہیں کہ جو آخری بات ہوتی ہے وہ عموماً ذہن نشین رہتی ہے اس لیے خطیب حضرات، مقرر حضرات اپنے تمام بیان کا لب لباب وہ بات کہتے ہیں جو ذہنوں میں بیٹھ جائے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی احادیث کو یکجا کیا مگر وہ جانتے تھے کہ اصل کامیابی اور ناکامی کا پتہ تو اعمال کے وزن پہ جا کے ہی چلے گا۔ اس لیے وزنِ اعمال کا باب آخیر پر قائم کیا گیا تاکہ کتاب پڑھنے والے کے ذہن میں رہے کہ میں نے ایسے عمل کرنے ہیں جو قیامت کے دن اللہ کے ہاں میزان کے اندر وزنی ہوں۔

⊙......شیخ الاسلام زکریا رحمۃ اللہ علیہ انصاری وہ فرماتے تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزن اعمال کا باب آخر پر اس لیے رکھا کہ وہ تمنا کرتے تھے کہ قیامت کے دن میری یہ کتاب بھی میرے اعمال میں سب سے زیادہ وزنی بن جائے۔

## بدء الوحی اور آخری باب میں مناسبت:

اب یہاں پر ایک اور نکتہ ذہن میں آتا ہے کہ ابتدا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کی "بدء الوحی" سے، آخری باب انہوں نے باندھا وزن اعمال کا تو ان میں آپس میں کیا مناسبت ہے کہ ابتدا بدء الوحی سے شروع ہوئی اور بات آکر مکمل ہوئی وزن اعمال پر۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وحی ایمان کی بنیاد ہے اس لیے اس کو سب سے پہلے رکھا اور پھر جزا اور سزا یہ انسان کا انجام ہے کہ نیک عمل پر جزا ملے گی اور برے عمل پر سزا ملے گی، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کتاب کے آخر پر لکھا۔

## پہلی حدیث اور آخری باب میں مناسبت:

تاہم پہلی حدیث مبارکہ اور آخری باب کے اندر بھی مناسبت ہے،

⊙......علامہ سراج الدین بلقینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، نیتِ اعمال کا دارمدار دنیا پر ہوتا ہے اور وزنِ اعمال کا دارو مدار آخرت پر ہوتا ہے، لہٰذا پہلی حدیث میں مبدا کا تعلق اور آخری حدیث میں معاد کا تعلق ہے۔

⊙......علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عمل کی ابتدا نیت سے ہوتی ہے اور عمل کی انتہا وزن پر ہوگی کہ اعمال کو تولا جائے گا، لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا میں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات کی حدیث پاک لکھی اور آخر میں میزان اعمال والی حدیث کو ذکر کیا۔

⊙......حضرت مولانا مسیح اللہ رحمۃ اللہ علیہ مسیح الامت، وہ فرماتے تھے کہ نیت مبداءِ عمل ہے لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابتدا میں لکھا اور وزن منتہائے عمل ہے لہٰذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو آخر پر رکھا۔

لہٰذا اوّلِ کتاب اور آخرِ کتاب کے درمیان بھی ایک مناسبت آگئی۔

## آیاتِ قرآنیہ لانے کی وجہ:

لیکن یہاں ایک بات قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف

حدیث پاک ذکر نہیں کی بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن پاک کی آیت بھی ذکر کی تو آیت قرآنیہ لانے کی کیا وجہ بنی تو شارحین حدیث نے فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ آیت قرآنیہ کو لا کر اپنی بات کو مؤکد فرمانا چاہتے تھے کہ دیکھو! یہ مضمون صرف حدیث سے ہی ثابت نہیں بلکہ یہ مضمون اللہ کے قرآن سے بھی ثابت ہے اسی لیے وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وہاں وہ قرآن مجید کی آیت کو بھی لائے ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کے لیے صیغہ واحد اور جمع:

یہاں ایک عجیب ایک دلچسپ بحث علما نے لکھی

وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ

''اور ہم قائم کریں گے میزان''

یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کا صیغہ آیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں واحد کا صیغہ اور کہیں کہیں جمع کا صیغہ بھی استعمال ہوا ہے، اس میں کیا حکمت تھی؟ تو طلبا کے لیے ایک قیمتی نکتہ ہے کہ واحد کا صیغہ کہاں استعمال ہوا؟ اور جمع کا کہاں؟

علما نے فرمایا کہ جہاں بھی قرآن مجید میں رحمت اور شفقت کا تذکرہ ہے، وہاں اللہ تعالیٰ نے واحد کا صیغہ استعمال فرمایا: مثلاً

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ﴾

(المائدہ:۳)

''آج میں نے تم پر دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی''

تو یہاں واحد کا صیغہ استعمال فرمایا۔

کیونکہ فرمانا تھا کہ میں نے تجھ پر اپنی نعمت کو کامل کر دیا تو جہاں رحمت اور شفقت کا معاملہ وہاں واحد کا صیغہ استعمال کیا۔ جہاں عظمت کا تذکرہ آیا، کبریائی کا تذکرہ آیا

وہاں اللہ رب العزت نے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔ لہٰذا

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾

''اور ہم قیامت کے دن میزان قائم کریں گے''

اس جگہ جمع کا صیغہ استعمال فرمایا:

## اللہ تعالیٰ سے خطاب میں صیغہ واحد ہو یا جمع:

تاہم اس پر علماء امت نے مستقل بحث فرمائی کہ اللہ رب العزت کے لیے جو ہم متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، خطاب کا صیغہ استعمال کرتے ہیں، یہ واحد کا ہونا چاہیے یا جمع کا۔ بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ کہتے ہیں: جی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ واحد کا صیغہ اور بعض کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ جمع کا صیغہ۔ تو کیا یہ دونوں صیغے جائز ہیں اور ان میں سے کس کو اختیار کرنا چاہیے؟ تو عام طور پر قرآن مجید میں خطاب کا صیغہ واحد کا استعمال ہوا، ایک جگہ صیغہ جمع استعمال ہوا ہے جیسے:

﴿قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴾ (المؤمنون:۹۹)

اب یہ جو اَرْجِعُوْن ہے یہ جمع کا صیغہ، لیکن ان دونوں کے معاملات الگ الگ ہیں۔ واحد کے صیغے میں توحید غالب نظر آتی ہے، شرک کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا لیکن جمع کے صیغے میں ادب بہت غالب نظر آتا ہے۔ اب ایک طرف وہ رنگ غالب ہے اور ایک طرف یہ رنگ غالب ہے۔

چنانچہ ہمارے بزرگوں کی اپنی اپنی ایک عادت رہی ہے، چنانچہ حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جمع کا صیغہ استعمال فرماتے تھے، ادب کے غلبہ کی وجہ سے کہ اس میں بندگی کا اظہار زیادہ ہے اور حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے

بھی اپنے استاد کی وجہ سے یہی عادت ہوگئی، وہ بھی جمع کا صیغہ استعمال فرماتے تھے۔ تاہم مفرد استعمال کریں یا جمع استعمال کریں شرعاً دونوں جائز ہیں، ایک میں توحید کا رنگ غالب اور دوسرے میں ادب کا رنگ غالب۔

## منکرینِ وزنِ اعمال:

اب یہاں پر ایک نکتہ ذہن میں رکھیں، یہ جو وزنِ اعمال کا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ کیا اس میں بنیادی طور پر انہوں نے معتزلہ کا رد کیا۔ کیونکہ معتزلہ کہتے تھے کہ عمل اعراض ہیں اور اعراض کا وزن ہی نہیں ہوتا۔ طلبا متوجہ ہوں کہ یہاں معتزلہ کی جو پہلی چیز ہے، خشتِ اوّل جس کو کہتے ہیں، اس کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ان کو آخر یہ دھوکے کیوں لگے؟ اس لیے لگے کہ انہوں نے عقل کو معیار بنایا۔ اب اگر کوئی بندہ سونار کے ترازو پر کوہ ہمالیہ کو تولنے بیٹھ جائے تو اس کو ہر بندہ پاگل ہی کہے گا۔ تو یہ معتزلہ ایسے لوگ تھے کہ یہ عقل کے ترازو پہ ہر چیز کو تولتے تھے۔

## عقل اور وحی:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اچھی مثال سے بات واضح فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک پہاڑ ہے، اس پر ایک بندے نے چڑھنا ہے تو تین طرح کے لوگ ہیں، پہلے وہ لوگ ہیں جو گھر سے وہ اپنی سواری پر چڑھے اور پہاڑ کے دامن تک پہنچے اور پھر پہاڑ کے اوپر بھی گھوڑے کے ساتھ چڑھنا شروع کر دیا، اب یہ لوگ ضرور کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھا کر گریں گے اس لیے کہ پہاڑ کی سیدھی چٹانوں پر تو گھوڑا نہیں چڑھ سکتا۔ لہٰذا پہاڑ کو طے کرنے کے لیے گھوڑے کی سواری پر بیٹھ کے جانے والا ناکام ہو گا۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے سوچا کہ گھوڑے پر بیٹھ کر تو پہاڑ پر چڑھنا ممکن نہیں لہٰذا وہ گھر سے ہی پیدل چل پڑے، گھوڑا ساتھ نہیں لیا لہٰذا وہ بھی ساری عمر راستے میں رہیں گے پہاڑ تک نہیں پہنچیں گے۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوچا کہ بھئی! جتنا راستہ گھوڑے پر طے ہو سکتا ہے گھوڑے پر طے کرلو، چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کے قریب پہنچ گئے اور اوپر انہوں نے پیدل چڑھنا شروع کر دیا، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جو تیسری قسم کے لوگ ہیں یہ کامیاب ہونے والے ہیں، یہ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ جائیں گے۔

تو عقل بھی ایک گھوڑے کی طرح ہے تو جہاں تک عقل جا سکتی ہے اس گھوڑے کی سواری کرلو اور جہاں اس کی پہنچ نہیں اس کو چھوڑ کر آگے سفر ویسے کرلو۔ چنانچہ دنیا ایسا ہی کرتی ہے، آپ غور کریں کہ آنکھ ایک حد تک دیکھ سکتی ہے اس سے آگے نہیں دیکھ سکتی تو لوگ دور بین استعمال کرتے ہیں کہ جہاں تک نظر پڑے آنکھ سے دیکھو جہاں نظر نہیں پڑتی وہاں دور بین استعمال کرو۔

اسی طرح پاؤں ایک حد تک چل سکتے ہیں اس سے آگے نہیں۔ بھائی اس سے آگے تم سواری لے لو۔ بالکل اسی طرح عقل ایک حد تک بندے کو رہنمائی دے سکتی ہے تو جہاں تک دے سکتی وہاں تک اس سے رہنمائی لے لو جہاں عقل رک جاتی ہے وہاں سے آگے وحی الٰہی سے رہنمائی لے لو۔ تو اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عقل کو ساتھ لے کے چلو یہ نہیں کہ شریعت کہتی ہے کہ عقل کو ایک طرف رکھ دو، نہیں! شریعت کہتی ہے کہ یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اس سے تم دین کو آسانی سے سمجھ سکو گے اس لیے اس کو ساتھ لے کے چلو مگر یہ ذہن میں رکھنا کہ یہ تمہیں ایک حد تک لے کر جائے گی اس سے آگے اس کو ایک طرف رکھ دو! ؎

چاہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن اسے کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دو

جہاں وحی کا معاملہ آ گیا اب عقل کو ایک طرف کر دو، لہٰذا اعمال سمجھ میں آئیں تو بھی ہم مانتے ہیں اور سمجھ میں نہ آئیں تو بھی مانتے ہیں، اس لیے کہ ایمان کا معاملہ ہے۔ مگر یہ کہ آج کل تو یہ باتیں سمجھ میں بھی آ جاتی ہیں۔ پہلے زمانے میں کئی چیزیں تھیں جن کو تولا نہیں جا سکتا تھا آج کل تولتے ہیں۔

## میزان کی حقیقت

یہ ذہن میں رکھیں کہ میزان کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ایک ترازو ہے اور دو پلڑے ہیں اور اس میں تولنا ہے۔ کوئی بھی ترازو جس پر کسی چیز کی پیمائش ہو سکے اس کو میزان کہیں گے۔ آج بخار کا ترازو تھرمامیٹر، بلڈ پریشر کا ترازو بلڈ پریشر کا میٹر، لوگ ناپتے ہیں کہ کتنا بلڈ پریشر ہے، شوگر کا ترازو گلوکومیٹر کہ بھائی کتنی شوگر ہے؟ فوراً ناپ لیتے ہیں، تو یہ چیزیں جو پہلے زمانے میں نہیں ناپی جا سکتی تھیں آج دنیا ناپ رہی ہے۔ آج کا انسان سمجھتا ہے کہ اعمال کے وزن کو نہیں ناپا جا سکتا، وہ پروردگارِ عالم قیامت کے دن ان کے وزن کو بھی ناپ کر دکھائے گا۔

### اہلِ سنت کے دلائل:

اس پر اہلِ سنت والجماعت کے پاس دلائل ہیں، وہ دلائل ہمیں قرآن عظیم الشان سے ملتے ہیں۔

⊙......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾

''اور ہم قیامت کے دن میزان قائم کریں گے''

یہ وزنِ اعمال کے اوپر ایک ٹھوس دلیل ہے۔

⊙......دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ﴾ (الاعراف:۸)

''اس دن اعمال کا تلنا برحق ہے''

اور اتنی واضح آیات قرآنیہ کے بعد تو مومن کو کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہاں عقل کے پجاری اگر بھاگتے پھریں تو یہ ان کی اپنی بات ہے، حقیقت بات یہ ہے کہ جہاں دین کا معاملہ آئے بندے کو چاہیے کہ انبیا کے سامنے اپنے سر کو جھکائے کہ جو انہوں فرمایا میں اس کو بلا کسی دلیل کے مانتا ہوں اور قبول کرتا ہوں، اس کو ایمان کہتے ہیں۔

## وزنِ اعمال کے فوائد:

یہاں طالب علم کے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وزن اعمال کا فائدہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تو سب جانتے ہیں۔ بھئی! یقیناً اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں، ان کو پتہ ہے کہ کون کھرا ہے اور کون کھوٹا ہے، کون شقی ہے کون سعید ہے، لیکن وزنِ اعمال کا فائدہ بھی ہوگا۔ چنانچہ حافظ بن ناظم الدین دمشقی نے ''منہاج الاستقامۃ'' کتاب کے اندر اس کی چند وجوہات بیان کی ہیں۔

⊙......فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ وزنِ اعمال فرمائیں گے اتمامِ حجت کے طور پر کہ برا بندہ اپنے گناہوں کے کرتوت کو دیکھ لے گا، میں نے جو کرتوت کیے اس کا وزن کیا تھا۔ میں نے جو نیکیوں میں سستی کی میری نیکیاں تھوڑی رہ گئیں اور نیک بندے کو بھی اللہ رب العزت کی طرف سے یہ نعمت ملے گی کہ اپنی نیکیوں کے

وزن کو دیکھ کر اس کو خوشی ملے گی، لہٰذا وزن اعمال سے سعادت اور شقاوت کا واضح پتہ چل جائے گا۔

⊙......پھر یہ بھی اس میں فائدہ کہ کیا مکلفین دنیا میں اس پر ایمان بھی لاتے ہیں کہ نہیں لاتے، جیسے اہلِ سنت والجماعت اس پر ایمان لے آئے اور معتزلہ نے ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ حق پر چلنے والے، وہ باطل پر چلنے والے۔

یہ اللہ رب العزت کی طرف سے جو اللہ کی صفتِ عدل ہے اس کا اظہار ہے۔

**لِاِظْهَارِ قِسْطٌ لِاَنَّهٗ مُقْسِطٌ**

اللہ رب العزت مقسط ہیں، عدل کرنے والے ہیں، لہٰذا اس کے اظہار کے لیے وزن قائم فرما دیا۔

⊙......اور ایک فائدہ اور بھی کہ قیامت کے دن جب اعمال کا وزن ہوگا تو نیک بندے کی خوشی میں اضافہ ہوگا ان کے وزن کو دیکھ دیکھ کر اور برے بندے کی ذلت میں اضافہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتے تھے کہ حق اور باطل کو واضح کر دے کہ اچھے کون تھے اور برے کون تھے۔

## میزان کے متعلق نکات

یہاں پر میزان کے بارے میں بھی چند نکتے ہیں جو طلبا کے لیے یقیناً فائدہ مند ہوں گے۔

### ❁ حساب پہلے یا میزان:

ایک ہے حساب اور ایک ہے وزن، قرآن پاک میں دونوں کا تذکرہ ہے۔ یہ اکٹھے ہوں گے یا آگے پیچھے ہوں گے، حساب پہلے ہوگا یا وزن پہلے، تو اس پر بھی

محدثین نے تفصیل لکھی ہے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمہور علما کا مذہب یہی ہے کہ پہلے حساب ہوگا اور پھر وزن ہوگا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ پہلے زبانی پوچھ گچھ ہوگی اور اتمام حجت کے لیے اعمال کو وزن کرنے کے لیے پلڑے پر ڈال دیا جائے گا۔

## ❁ میزان کون کرے گا؟

اس میزان کا ذمہ دار کون ہوگا کہ اعمال تولے جائیں گے تو تولے گا کون؟ اس میں دو روایات ہیں چنانچہ کتاب السنۃ میں حذیفہ کی روایت ہے کہ

صَاحِبُ الْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جِبْرِيْلَ

کہ قیامت کے دن صاحب میزان جبرئیل علیہ السلام ہوں گے اور اس کی ایک وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام وہ فرشتے ہیں جو دنیا میں وحی لے کر آئے چونکہ یہ دنیا میں میزان شریعت کو لے کر آئے، لہٰذا بندوں کے اعمال میزان شریعت پر کتنے پورے اترتے ہیں یہ ڈیوٹی بھی اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو عطا فرمائیں گے اور دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ

((مَلَكُ الْمَوْتِ مؤكِلٌ بِالْمِيزَانِ))

تاہم یہ ایک میزان ہوگی جس کے دو پلڑے ہوں گے ایک میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے کے اندر اس کے گناہ رکھے جائیں گے۔

## ❁ پلڑا کیسے جھکے گا؟

مگر یہاں ایک دلچسپ بحث یہ بنی کہ پلڑا جھکے گا کیسے؟ نیکیوں کا پلڑا جھکے گا یا نیکیوں کا پلڑا اٹھے گا، بعض نے کہا کہ نہیں، نیکیوں کا پلڑا جھکے گا شیخ شہاب الدین رملی

رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی کتاب میں لکھا جیسے میزان دنیا میں ہوتا ہے، ایسے ہوگا مگر بعض محدثین نے فرمایا کہ نہیں، نیکیوں کا پلڑا اٹھے گا اب ان کی دلیل کیا تھی؟ انہوں قرآن مجید کی آیت سے دلیل دی کہ اللہ فرماتے ہیں کہ

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾ (فاطر:۱۰)

''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں''

کہ نیک عمل اوپر کو جاتے ہیں لہٰذا قیامت کے دن الٹا حساب ہوگا کہ نیکیاں زیادہ ہوں گی تو وہ اوپر کو جائیں گی اور گناہ تھوڑے ہوں گے، یہ تو سمجھنا مشکل لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک دلیل قائم کی وہ فرماتے ہیں کہ کئی چیزیں دنیا سے مختلف ہوں گی۔ دنیا میں ہم شیطان کو نہیں دیکھ سکتے شیطان ہمیں دیکھتا ہے۔

﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ (الاعراف:۲۷)

تو دنیا ہم نہیں دیکھتے اور قیامت کے دن کیا ہوگا؟ ہم شیطان کو اسی نظر سے دیکھیں گے کیونکہ اس دن مختلف چیزیں ممکن ہیں۔ لہٰذا قیامت کے دن میزان بھی اللہ ایسا کر دیں گے کہ جس کا نیکیوں کا پلڑا وزنی ہوگا۔ وہ اوپر کو اٹھ جائے گا مگر وہ اس کے بھاری ہونے کی دلیل ہے یہ نہیں کہ اوپر ہونا ہلکا ہونے کی دلیل ہے۔

## ❁ جمع کا صیغہ کیوں؟

یہاں پر ایک اور نکتہ ﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾۔ یہاں پر میزان مفرد نہیں آیا، واحد کا صیغہ نہیں ہے بلکہ جمع کا صیغہ آیا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سارے موازین ہوں گے۔ تو اس میں علما نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک چیز جو کئی اجزا سے مل کر بنتی ہے تو اجزا کی کثرت کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال فرما دیا۔ وہ کیسے؟ ہر ہر پرزہ الگ الگ ہو، پلڑے بھی ہوں اور اس کی ایک

لگام بھی ہوگی تو مختلف اجزا کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کر دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نہیں! انسان کے مختلف اعضا ہیں ہر عضو کے گناہوں کا الگ میزان ہو سکتا ہے، لہٰذا موازین جمع کے لیے لایا گیا اور بعض علما نے یہ فرمایا کہ نہیں عظمت کی خاطر جیسے جمع کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کر لیتے ہیں تو میزان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کر لیا۔

## ❁ میزان کتنی بڑی ہوگی؟

یہ میزان کتنی بڑی ہوگی، ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

((كَفَّتَا الْمِيْزَانِ كَاطْبَاقِ الدُّنْيَا كُلِّهَا))

سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

((فَلَوْ وَزَنَ فِيْهِ السَّمٰوٰاتِ وَ الْاَرْضُ لَوَسِعَتْ))

اتنے بڑے بڑے پلڑے ہوں گے کہ زمین اور آسمان پورے کو اگر تولنا چاہیں تو ایک پلڑے میں تول سکیں گے۔

## ❁ اعمال جمع اور قول واحد کیوں؟

یہاں ایک سوال اور ذہن میں پیدا ہوتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ اَنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ اٰدَمَ وَ قَوْلَهُمْ يُوْزَنُ

تو یہاں اعمال کے لیے تو جمع کا صیغہ لائے اور قولھم کے لیے اقوال کا لفظ نہیں کہا۔ مفرد کا صیغہ لائے تو یہ کیوں فرمایا؟ تو اس کے بارے میں محدثین نے لکھا

کہ اصل بات یہ تھی چونکہ اعضائے اعمال کئی سارے ہیں، آنکھ ہے، کان ہے، ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں تو اعضاء کئی ہیں۔ اس لیے اعمال جمع میں لایا اور زبان ایک ہے قول والی، اس لیے اس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کر دیا۔

## ✿ میزان سے مستثنیٰ کون؟

ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا سارے انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے؟ تو ہاں تولے جائیں گے مگر استثناء تو ہوتا ہی ہے ہر چیز میں، مگر یہ اکثر حکم الکل اکثر پر کل کا حکم لگا دیتے ہیں۔ تو اس لیے فرمایا بنو آدم کے سب کے اعمال تولے جائیں گے لیکن انبیا وزنِ اعمال سے مستثنیٰ ہیں، ان کے اعمال کا وزن نہیں ہو گا۔ اور نبی علیہ السلام نے فرمایا اور جو انبیا کی پیروی کرنے والے ان کے وارث ہوں گے ان کے ساتھ بھی اللہ خیر کا معاملہ فرمائیں گے۔

چنانچہ ایک حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے ستر ہزار بندوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ اب ستر ہزار کا لفظ سن کر دل تو چاہتا ہے کہ دعا مانگیں مگر پھر خیال آتا ہے کہ یا اللہ کروڑوں بندے تیری امت کے، اربوں کھربوں بندے تیری امت کے اور پھر صرف ستر ہزار بندے بغیر حساب کے جائیں گے تو ہم کس کھاتے میں؟ بلکہ ہم کس کھیت کی مولی گاجر ہیں کہ ہم بھی یہ دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل کر۔ اتنے لوگوں میں سے صرف ستر ہزار۔ لیکن جب حدیث مبارکہ کو آگے پڑھتے ہیں تو دل کو ذرا تسلی ہو جاتی ہے۔ وہ کیا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار بندوں کو اللہ تعالیٰ بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے اور وہ ایسے ہوں گے کہ ہر ایک اپنے ساتھ ستر ہزار اور لوگوں کو لے کر جائے گا۔ اب دل کو تسلی ہو جاتی ہے، ہم بھی دعا مانگ سکتے ہیں

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک لیے یہ لازم ہے کہ یہ دعا مانگا کرے کہ مولا ناپ تول کے ہم قابل نہیں، تیری رحمت کا معاملہ ہے، جب اتنے لوگوں کو آپ بلاحساب بھیج دیں گے تو ہم مسکینوں کو بھی اس میں شامل فرما لیجیے گا۔

### ❁ کیا کفار کے اعمال کا وزن ہوگا؟

یہاں ایک ذہن میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کے اعمال کا وزن ہوگا کہ نیکیاں کرتے ہیں یا کفار کا بھی ہوگا؟ تو بھئی! کفار کا بھی ہوگا، لیکن کفر کی وجہ سے ان کے اعمال بے وزن ہو جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف:۱۰۵)

اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ نیکیاں تو انہوں نے کی تو وزن کیوں نہیں ہوگا؟ تو کئی عقل پرست قسم کے نوجوان جو ہوتے ہیں وہ سوال پوچھتے ہیں کہ جی اگر مسلمان کسی کے ساتھ اچھا کرے تو ثواب ملے گا کافر اگر کسی کے ساتھ بھلائی کرے تو اس کا کوئی ثواب نہیں؟ تو بھئی! اس کا بھی جواب سن لیجیے۔

ایک بندہ اگر زمین کے اوپر ہے تو اس کا وزن ہے فرض کرو سو کلوگرام، اگر اس بندے کو آپ چاند پر پہنچا دیں تو اس کا وزن رہ جائیگا فرض کرو چالیس کلوگرام۔ وہی وزن، وہی بندہ، وہی قد، وہی جسم وہی ترازو، چاند پر اس کا وزن تھوڑا رہ گیا۔ اور اگر اس بندے کو مریخ پر لے جائیں تو اس کا وزن ہو جائے گا کوئی پانچ سو کلوگرام۔ سو کلو گرام کا بندہ تھا پانچ سو کلوگرام تک پہنچ گیا۔ یہ کیا مسئلہ اور اسی بندے کو اگر خلا میں لے جائیں تو اس کا وزن زیرو کلوگرام۔ تو سائنس سے جواب پوچھو کہ مسئلہ کیا؟ تو سائنس جواب دے گی کہ وزن جو ہوتا ہے نا اس میں ایک تو بندے کی کمیت کو دیکھا جاتا ہے دوسرا جو کشش ہوتی ہے زمین کی اس کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ دونوں کو ضرب

دے دیں تو وزن نکل آتا ہے۔ زمین کی کشش زیادہ تو وزن سوکلوگرام، چاند کی کشش تھوڑی وزن چالیس کلوگرام، مریخ کی کشش اس سے بھی زیادہ تو وزن چار سوکلو گرام، اور خلا کے اندر کشش زیرو تو لہٰذا خلا میں وزن زیروکلوگرام۔ تو جب خلا کے اندر اچھے بھلے آدمی کا وزن زیرو ہو جاتا ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ دیکھو کہ کافر وہ بندہ ہے جس میں ایمان کی کشش زیرو ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایمان کی عظمت کو ظاہر فرمائیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو تمہارے دل میں میری نہ محبت تھی، نہ ایمان والی کشش تھی، یہ کیونکہ تمہارے دل میں زیرو تھی لہٰذا جتنے بھی پہاڑوں برابر عمل لے کر تم آئے زیرو سے ضرب دو تو جواب کیا نکلے گا؟ ﴿وَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔

### ❁وزن کس کا ہوگا؟

یہاں ایک اور بحث چھیڑی علمانے کہ قیامت کے دن وزن ہوگا بھی کہ نہیں؟ تو تین طرح کی روایات ہیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نامۂ اعمال کا وزن ہوگا اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بندے کا اپنا وزن ہوگا۔ جیسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پتلی پتلی پنڈلیاں تھیں اور ان کے دوساتھی صحت کے اچھے تھے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ پنڈلیاں اللہ کے ہاں اتنی وزنی ہیں کہ میزان میں احد پہاڑ سے یہ زیادہ بھاری ہیں۔ تو تینوں طرح کی روایات ہیں۔

اب علمانے فرمایا کہ اب یہ تینوں طرح کی صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہیں۔ ذرا ذہن میں رکھنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے جج نہیں ہیں۔ کیونکہ جج قانون کا پابند ہوتا ہے، وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا،

وہ وہی کرسکتا ہے جو قانون نے کہا۔ تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے جج نہیں ہوں گے، قیامت کے دن کے مالک ہوں گے۔ مالک کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو عدل کا حکم دے دے اور چاہے تو اپنے فضل کا حکم دے دے۔ اس لیے جس کے عملوں کو چاہیں گے تول لیں گے۔ کسی کے نامہ اعمال کو تول لیں گے اور کسی بندے کو خود نامہ اعمال میں تول لیں گے۔

## معارفِ حدیث

اب طلبا ذرا کتابیں کھول کے حدیث پاک کی طرف متوجہ ہوں تا کہ حدیث پاک کے معارف کو دیکھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باب قول الله تعالیٰ

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ اٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ

یہاں تک تو عبارت تھی۔ اب معانی اور معارف کو ذرا دیکھتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم بنی آدم علیہ السلام کے اعمال کو اور اقوال کو تولیں گے۔

اس پر مفتی پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات فرماتے تھے۔ وہ فرماتے تھے:

”کہ جب بھی تم کوئی کام کرو یا کوئی بات کہو، تو سمجھ لو کہ اس کو عدالت میں پیش ہونا ہے، چاہے وہ دنیا کی ہو یا آخرت کی ہو“

ہر عمل جو ہم کرتے ہیں یا ہر بات جو ہم کہتے ہیں، اس بات کو ایک دن عدالت میں پیش ہونا ہے، یا دنیا کی عدالت میں یا آخرت کی عدالت میں۔ لہٰذا ہر عمل میں

ہمیں اللہ کی رضا کی نیت کر لینی چاہیے تا کہ عمل اللہ کے ہاں قبول ہو جائے۔ تو حضرت عارفی رحمہ اللہ ایک عجیب بات فرماتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب بھی صبح انسان کی آنکھ کھلے تو جو جاگنے کی دعا پڑھتا ہے تو اس کے بعد وہ ذہن میں یہ نیت کر لے کہ اللہ! آج میں جو عمل کروں گا تیری رضا کے لیے کروں گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک طبیعت میں اس کی ضد نہ آئے گی تو ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے سمجھا جائے گا کیونکہ نیت کر لی تھی۔ تو یہ کتنا آسان عمل ہے کہ جب صبح اٹھو اور صبح اٹھنے کی دعا پڑھو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ

تو اسی وقت یہ نیت ساتھ کر لیا کرو کہ اے اللہ! آج کے دن میں جو بھی عمل کروں گا آپ کی رضا کے لیے کروں گا۔ اور اکثر و بیشتر ہم کام کے عین موقع پر نیت تو کرتے نہیں، کیونکہ نیت نہیں کرتے تو جو پہلے سے نیت کی ہوئی ہو گی تو وہ نیت شامل ہو گی، اسی طرح زندگی کے اکثر اعمال اللہ کی رضا والی نیت سے شمار کر لیے جائیں گے۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

## وَ قَالَ مُجَاهِدٌ اَلْقِسْطَاسُ۔ اَلْعَدْلُ بِالرُّوْمِیَّةِ

جو القسطاس ہے اس کا معنیٰ ہے العدل اور یہ رومی زبان کا لفظ ہے۔

یہاں پر ایک بات ذہن میں رکھیں کہ قرآن مجید کے کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ مختلف زبانوں کے تھے چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی اَلْمُهَذَّبُ فِیْمَا وَقَعَ فِی الْقُرْآنِ مِنَ الْمُعَرَّبِ تو اس میں قاضی تاج الدین سبکی نے ایسے ستائیس (۲۷) الفاظ گنوائے جو عجمی زبانوں کے تھے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس میں چوبیس الفاظ کا اضافہ کیا، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے

انہتر (۶۹) الفاظ اور گنوائے اور کل ایک سو بیس لفظ ہوئے۔یعنی قرآن مجید میں ایک سو بیس الفاظ ایسے ہیں جن پر یہ کلام ہوا کہ یہ غیر عربی زبان کے لفظ عربی میں استعمال ہوئے ہیں۔اس کا بہترین جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔

انہوں نے فرمایا:

لَا يُحِيطُ بِاللُّغَةِ اِلَّا نَبِيٌّ

کہ لغت کے اوپر نبی علیہ السلام کو جتنا احاطہ ہوتا ہے دوسرے بندے کو نہیں ہوتا۔ لہٰذا عام بندے جو کہتے ہیں کہ یہ عربی کا لفظ نہیں تو ان کی بات صحیح نہیں،کئی ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو دو زبانوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔اب جیسے اردو زبان میں کتنے ایسے الفاظ ہیں جو عربی سے لیے گئے۔ہمارے ہاں انسان،جسم،عرض،کرسی،کتاب،قلم، یہ سارے کے سارے الفاظ قرآن کے الفاظ ہیں جو ہماری زبان میں استعمال ہوئے ہیں تو زبانوں میں الفاظ داخل ہوتے رہتے ہیں۔مگر ہوا یہ کہ عربوں نے اگر کوئی لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا تو تب استعمال کیا جب وہ لفظ اگر ان کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا ان کے اوزان پر پورا اترتا تھا۔

مثال کے طور پر لفظ تھا ''پیل'' فارسی میں ہاتھی کو پیل کہتے ہیں،تو عربوں نے لفظ بنایا فیل۔عربی میں فیل ہاتھی کو کہتے ہیں۔اب جب پیل،فیل بن کر عربی میں آ گیا، اس کو فارسی کا لفظ نہیں عربی کا لفظ کہیں گے۔اور ویسے بھی دستور ہے کہ

''ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد''

ہر چیز جو نمک کی کان میں آئے نمک بن جاتی ہے''

ہم کھیوڑہ میں گئے،ہم نے دیکھا کہ کان ہے نمک کی اور اس میں ایک درخت کبھی اگا تھا اور وہ درخت بھی نمک کا بنا ہوا ہے،شکل درختوں والی ہے مگر سارا نمک

بن گیا۔ تو وہاں ہم نے کسی سے پوچھا کہ جی کیا یہ نمک کا درخت ہے؟ تو انہوں کہا کہ جی نمک کی کان میں جو آ جاتا ہے وہ نمک بن جاتا ہے۔ تو ہمیں مسئلہ سمجھ میں آ گیا کہ جب عربوں نے اسے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا تو اب وہ عجمی لفظ زبان کا نہ رہا بلکہ عربی زبان کا لفظ بن گیا اور اس پر تصدیق اللہ تعالیٰ نے فرما دی۔ جس میں قرآن مجید میں چھ سورتوں میں قرآنا عربیا کہا اور تین میں لسان عربی کہا۔

آگے فرماتے ہیں:

## وَيُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ

دیکھیں! یہ لفظ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے ایک قِسْطٌ اور دوسرا قُسْطٌ ضمہ کے ساتھ قِسْطٌ کا مطلب ہوتا ہے انصاف اور قُسْطٌ کا مطلب ہوتا ہے ناانصافی، لہذا مُقْسِطٌ قِسْط سے ہے، اس کا معنی ہوگا عادل۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (المائدہ:۴۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں"

اور ویسے حدیث پاک میں بھی یہ لفظ آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔

((يَنْزِلُ حَكَمًا مُقْسِطًا))

اسماء الحسنیٰ میں بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے۔ اَلْمُقْسِطُ

لیکن قُسط جو لفظ ہے یہ ظلم کے معنی میں ہے۔ قاسط کا معنی ہے ظالم۔ قرآن مجید میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ فَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴾ (الجن:۱۵)

چنانچہ قاسط کا معنی ہوگا ظالم۔ مقسط کا معنی ہوگا عادل

چنانچہ اس میں ایک واقعہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد البخاری میں لکھا ہے۔ بڑا دلچسپ واقعہ ہے کہ جب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو حجاج بن یوسف نے گرفتار کروایا تو وہ بڑا جابر آدمی تھا، جو اس کی مرضی میں آتا تھا وہ کر گزرتا تھا، تو جب سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سامنے آئے تو اس نے پوچھا:

مَاذَا تَقُوْلُ فِيْ

میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قَاسِطٌ عَادِلٌ

تو لوگ بڑے حیران کہ انہوں نے حجاج بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر دی، لیکن حجاج خود عربیت کا ماہر تھا، وہ کہنے لگا:

وَيْلَكُمْ لَمْ تَفْهَمُوْا جَعَلَنِيْ جَائِرًا كَافِرًا

او تمہاری کم بختی! تم نے بات کو نہیں سمجھا، اس نے مجھے ظالم اور کافر بنا دیا۔

اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلِهٖ تَعَالٰى

﴿ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴾

وَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى

﴿ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴾

## تشریحاتِ متن:

حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا، اس کو احمد بن اشکاب سے اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا، انہوں نے محمد بن فضیل سے، انہوں نے عمارہ سے، انہوں نے ابو ذرع سے، انہوں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

## كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ

### كَلِمَتَانِ

یہاں کلمتان سے مراد نحوی کلمے نہیں بلکہ اس سے مراد تثنیہ کا صیغہ، دو کلمے، جیسے ہم فقرے کو کلمہ کہہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں نا کلمۂ شہادت، کلمہ طیبہ، تو اس کلمے سے مراد فقرہ ہوتا ہے اور یہاں کلمتان سے بھی دو فقرے مراد ہیں۔ ایک فقرہ ہو گا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اور دوسرا فقرہ ہوگا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

تو كَلِمَتَانِ کا لفظ پہلے لایا گیا پھر فرمایا:

### حَبِيْبَتَانِ

کہ اللہ کو وہ دونوں بڑے محبوب ہیں

دونوں فقرے اللہ تعالیٰ کو کیوں محبوب؟ کہ بھائی ایک فطرت ہے انسان کی کہ وہ چاہتا ہے کہ برائی میری طرف منسوب نہ کی جائے، اچھائی میری طرف منسوب کی جائے۔ تو جیسے بندے کی یہ پسند، اللہ رب العزت بھی یہی پسند فرماتے ہیں کہ برائی کو میری طرف منسوب نہ کریں، خوبیوں کو میری طرف منسوب کریں۔ لہٰذا اللہ کی یہ شان ہے اور اس کو یہ بات بجتی ہے، مسلم شریف کی ایک روایت ہے جس میں ارشاد فرمایا:

(( إِنَّ أَحَبَّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يَقُوْلَ الْعَبْدُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ))

تو یہ دونوں کلمے اللہ کو بڑے پسند ہیں کیوں؟ کہ اس میں کہنے والا اللہ رب العزت سے برائی کی پاکی کا بیان کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر برائی سے منزہ اور مبرا ہیں اور ہر سست سے متفق ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بات پیاری لگتی ہے کیونکہ اس میں اس کی عظمت ظاہر ہوتی ہے تو فرمایا:

((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ))

یہاں الی اللہ نہیں کہا کہ اس میں اسم ذات اللہ کو استعمال کیا ہو۔ رحمٰن کا لفظ استعمال کیا، اس میں بھی حکمت ہے۔ اس لیے کہ رحمٰن وہ ذات ہوتی ہے جو اپنے اور پرائے اور تھوڑے کے بدلے زیادہ دے۔ اس کو کہتے ہیں رحمٰن اب کیونکہ اللہ رب العزت نے بندے کے تھوڑے عمل پر اجر زیادہ دینا تھا تو اپنے صفاتی نام کو استعمال فرمایا کہ رحمٰن کو پسند ہے تو جب رحمٰن کو پسند تو ملے گا بھی بہت کچھ لہٰذا الی الرحمٰن کہا۔ کتنا زیادہ ملے گا حدیث پاک میں ہے کہ

((سُبْحَانَ اللّٰهِ نِصْفُ الْمِيْزَانِ))

جو بندہ اخلاص کے ساتھ سبحان اللہ پڑھتا ہے تو آدھا میزان بھر جاتا ہے۔

((وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ))

اور الحمد للہ کہنے سے پورا میزان بھر جاتا ہے

اب تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دے یہ رحمٰن کی شان ہے تو دیکھو! حدیث پاک کی کیا خوبصورتی کہ رحمٰن کا لفظ استعمال ہوا كَلِمَتَان دو کلمے حَبِيْبَتَانِ اللہ کو دونوں پیارے۔ کیوں کہ ان کلموں میں برائی سے پاکی بیان ہوتی ہے اور صفات سے اللہ کو متصف بیان کیا جاتا ہے۔ یہی آگے فرمایا۔ اِلَى الرَّحْمٰنِ کا لفظ اس لیے لائے کہ رحمٰن وہ ذات جو تھوڑے عمل کے بدلے اجر زیادہ دینے والی ہے۔ آگے ایک بات اور فرمائی:

## خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ

زبان پر ہلکے ہیں۔

زبان پر ہلکے سے مراد ایک بات تو یہ کہ پڑھنے آسان، یعنی لفظ تھوڑے اور

جملے چھوٹے، دیکھیں نا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ تین لفظ بنتے ہیں پھر سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ پھر تین لفظ بنتے ہیں۔ تو الفاظ تھوڑے اور فقرے چھوٹے، لہٰذا ان کو پڑھنا بہت آسان۔ اسی لیے کہا گیا کہ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ لیکن اگر اور گہرائی میں چلے جائیں تو دل اور زیادہ خوش ہوتا ہے بات کو سن کر۔

جو قراء حضرات ہیں نا وہ تو الفاظ سے آگے حروف کے لیول پہ جا کر سوچتے ہیں۔

لہٰذا اب ہم ان الفاظ کو ذرا تجوید کے اصولوں کی نظر سے دیکھیں۔

⊙...... دیکھیں کہ کچھ حروف جن کو حروفِ استعلا کہا جاتا ہے، موٹے حروف، ادائیگی میں موٹے حروف ہوتے ہیں اور موٹے حروف میں ثقل ہوتا ہے، چونکہ موٹے ادا کیے جاتے ہیں۔ جیسے ''ض'' اب اس کو کہنے میں ثقل ہے۔ ان کا مجموعہ ہے ''خص ضغط قظ'' یہ جتنے بھی حروف ہیں یہ سارے کے سارے حروف استعلاء کہلائیں گے۔ اب ان حروف میں سے دیکھو! ان میں سے کون سا لفظ استعمال ہوا۔ ایک العظیم میں ظا کا لفظ استعمال ہوا ہے، تو حروف استعلا میں سے صرف ایک لفظ استعمال ہوا۔ اس کا مطلب ہے کہ آسان حروف زیادہ ہیں۔

⊙...... پھر کچھ حروف ہوتے ہیں جن کو حروف شدّہ کہتے ہیں ان کا مجموعہ ''اجد قط بکت'' ہے، ان میں سے صرف باء کا حرف استعمال ہوا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ باء استعمال ہوا ہے، باقی کوئی استعمال نہیں ہوا۔ حروف شدہ بھی بالکل تھوڑے استعمال ہوئے۔

⊙...... پھر عام دستور ہے کہ اسماء کے مقابلے میں افعال ثقیل ہوتے ہیں اور ان فقروں میں افعال میں سے کوئی بھی نہیں۔ پھر اسما میں بھی جو غیر منصرف ہوتے ہیں وہ زیادہ ثقیل ہوتے ہیں، ان میں سے بھی کوئی نہیں۔ اور دیکھیے! کہ اس حروف ثقیلہ بھی

کوئی نہیں، نہ ثاء ہے نہ شین۔

تو اس میں دیکھیے! نہ حروف استعلاء میں سے، نہ حروف شدہ میں سے، نہ افعال میں سے، نہ اسمائے غیر منصرف میں سے اور نہ حروف ثقیلہ میں سے کچھ استعمال ہوا۔

پھر مزے کی بات دیکھیں کہ تین حرف ایسے ہیں جن کو حروفِ لین کہتے ہیں۔ بڑی نرمی سے ادا ہو جاتے ہیں، واؤ، الف، اور ی اور تینوں اس میں استعمال ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ واقعی نبی پاک کی زبان فیض ترجمان سے جو بات نکلی خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ وہ فی الوقت کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہو سکتی تھی وہ ان فقروں کے اندر موجود ہیں۔ آگے فرمایا:

## ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ

میزان میں بڑی بھاری ہیں۔

اب یہاں طالب علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بولنے میں اتنے آسان اور میزان میں اتنے بھاری۔ جی ہاں آسان مثال دیکھیں، کھاؤ پیو لوگ ہیں کہ مکھن کھانا کتنا آسان! اور معدے میں جا کر کتنا بھاری ہوتا ہے، ہضم ہی نہیں ہوتا۔ پاپڑ کھانے کتنے آسان اور میدے میں جا کر ہضم ہونے میں نہیں آتے۔ اتنے بھاری۔ تو کتنی مثالیں ایسی ہیں جو زبان پر اتنی ہلکی اور میدے میں بھاری۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ زبان پہ ہلکے اور میزان کے اندر بھاری۔ تو فرمایا: ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ۔ اب ان کا ثقل کتنا ہوگا؟ یہ اللہ جانتا ہے۔ اور قیامت کے دن بندے کو پتہ چلے گا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہنے پر یا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کہنے پر مجھے اللہ نے کیا اجر عطا فرمایا ہے۔

اس لیے ایک عجیب نکتہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جنت میں جانے کی

جہاں سب سے زیادہ مزے دار بات ہے، وہ تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا دیدار ہوگا مومن کے لیے۔ سب سے مزے دار چیز کہ جنت میں جانے کے بعد کیا نصیب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ دیدار کے بعد مومن کے لیے سب سے مزے دار چیز یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جنتی کو جنت میں **حقائق الاشیاء** نصیب فرما دیں گے۔ **حقائق الاشیاء** کا پتہ چل جائے گا۔ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ))

**حقائق الاشیاء** کا پتہ چل جائے گا کہ واقعی یہ جو دنیا میں کہتے تھے کہ یہ میزان میں بڑے بھاری ہیں، تو اس بھاری کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ قیامت کے دن ہمیں پتہ چل جائے گا۔

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میزان میں بھاری ہونے کی تین بنیادیں ہیں کہ سبحان اللہ میں تنزیہہ ہے، وبحمدہ میں تعریف ہے اور العظیم میں اللہ کی کبریائی کی تصدیق ہے۔ اور کیونکہ تین چیزیں اکٹھی ہوگئیں، تنزیہہ بھی بیان ہوگئی اور اللہ کی تعریف بھی بیان ہوگئی اور اللہ کی عظمت و کبریائی اور بڑائی کا بھی اقرار ہو گیا، لہٰذا جب کسی کو بڑا کہیں تو دینے والا بھی تو بڑا کچھ دیتا ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے۔ ہم نے دیکھا کہ یہ جو مانگنے والے ہوتے ہیں یہ بڑے استاد لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے ایسے لفظ کہتے ہیں کہ جی آپ کے والد ایسے تھے، آپ کا خاندان ایسا تھا۔ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ ایسی باتیں کریں گے تو روپیہ نہیں ملے گا، کم از کم دس ملیں گے یا سو ملے گا۔ تو دنیا کے فقیر بھی سمجھتے ہیں کہ بڑائی بیان کرو تو دینے والا تھوڑا نہیں دے سکتا، تو بھائی اس میں تو بڑائی ویسے ہی بیان ہو رہی ہے اور وہ تو ہے ہی بہت بڑا۔ اور وہ پروردگار تھوڑا دیتا بھی نہیں، لہٰذا جب وہ دے گا تو اتنا دے گا کہ ثَقِيْلَتَانِ فِي

الْمِیْزَان وزن میں بہت بھاری ہوگا۔ شاہوں کی دین بہت بڑی ہوتی ہے۔

## ترجمۃ الباب کا بنیادی نکتہ:

اب یہاں ایک اور نکتہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں وزن کا جو تذکرہ کیا تو موضوع ترجمہ کیا ہے۔ یعنی جو ترجمۃ الباب ہے اس کا بنیادی نکتہ ان کو کہاں سے ملا؟ تو ثقیلتان سے ان کو نکتہ ملا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سے نکتہ پکڑا کہ ثقیل جب ہوں گی کچھ چیزیں تو اس کا مطلب ہے اعمال کا وزن ہوگا۔ اس سے انہوں نے ترجمۃ الباب باندھا اور یہ بھی انہوں نے کہا کہ جب اقوال تولے جائیں گے تو باقی اعمال بھی تولے جائیں گے۔

## مسجع اور شیریں کلام:

تو یہاں تک اگر ہم اس حدیث مبارکہ کی تلاوت کریں تو یہ بنتی ہے:

«كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِيْ الْمِيْزَانِ»

تو طالب علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھائی بڑے عجیب قافیے بنائے ہوئے ہیں، بڑا مسجع کلام ادا ہو رہا ہے، ہاں بات ٹھیک ہے، لیکن ایک مسجع کلام مکروہ ہوتا ہے اور ایک مسجع کلام دل خوش کرنے والا ہوتا ہے۔ مکروہ کی دو علامتیں ہوتی ہیں ایک تو وہ تکلف کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور دوسرا وہ باطل کو ملتزم ہوتا ہے۔ اگر یہ دو باتیں ہوں گی تو اس مسجع کلام کو مکروہ کہا جائے گا اور اگر بلا تکلف ادا ہو جائے تو اس کلام کو خوش کن پر لطف اور شیریں کلام کہا جائے گا اور یہ جو کلام ادا ہوا نہ اس میں تکلف ہے، نہ اس میں باطل کا دخل ہے، چونکہ دونوں علامتیں نہیں لہٰذا یہ کلام کیا کہلائے گا؟

شیریں کلام کہلائے گا۔ تو ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا شیریں کلام کہیں اور بھی ہے، جی ہاں ایسا شیریں کلام قرآن پاک میں ہے۔ ذرا قرآن پاک کی آخری سورۃ الناس پڑھ کے دیکھیں:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ٥ مَلِكِ النَّاسِ ٥ إِلٰهِ النَّاسِ ٥ مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ٥ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ٥﴾ (الناس:۱-۶)

سبحان اللہ کیا شیریں کلام ہے! تو بغیر کسی تکلف کے ادا ہوتا ہے اسی لیے یہ مسجع کلام مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔

آگے ان کلمات کے الفاظ کی طرف توجہ کریں۔

## سُبْحَانَ اللّٰهِ

سبحان اللہ کا معنیٰ ہے اللہ پاک ہے۔ ہر نقص سے، ہر عیب سے، ہر برائی سے، اللہ رب العزت پاک ہے، منزہ اور مبرہ ہے۔ تو سبحان اللہ کا کیا معنیٰ ہوا کہ اللہ پاک ہر برائی سے ہر عیب سے پاک ہے۔ اب یہاں پر ایک نکتہ ذرا سمجھیں طلبا کے لیے قیمتی موتی...... سبحان اللہ میں ہم نے یہ کہا کہ اے اللہ! آپ ہر عیب سے پاک ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دستور ہے، اس کو کہتے ہیں کہ جزا من جنس العمل کہ جیسا عمل ویسی جزا۔ تو جب بندے نے اللہ کی پاکی بیان کی تو جواب میں اللہ نے فرمایا کہ میرے بندے تو میری پاکی بیان کر رہا ہے اب اس کے بدلے میں تمہارے دل کو ظلمت سے پاک کر دوں گا۔ لہٰذا یہ ذکر بندے کے دل کو منور کر دیتا ہے اور عیبوں سے پاک کر دیتا ہے۔

اب اس کی کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ تو جب ہم نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ دل کو دھو

دیتے ہیں، تو پھر اس کو دھونے کی کوئی دلیل! تو سنیے! حدیثِ مبارکہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَ إِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ))

''کہ جو بندہ دن میں سومرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے اللہ اس کی خطاؤں کو مٹا دیتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں''۔

تو جب خطائیں مٹ جاتی ہیں تو پھر خطاؤں کے اثرات بھی تو مٹ جاتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ ذکر انسان کے دل کو دھو دیتا ہے۔

## تسبیح کی اہمیت:

یہ اتنا اعلیٰ عمل ہے کہ اس کی اہمیت سوچیے، اللہ رب العزت نے فتح مکہ کی جو خوش خبری دی اور صلح حدیبیہ کی جو ایمان والوں کو خوشخبری ملی اور پھر اس کے بعد دین اسلام میں فوج در فوج لوگ داخل ہونے لگے تو یہ کتنا بڑا انعام تھا، کتنا بڑا اللہ کا احسان تھا، اس احسان کا جہاں اللہ نے تذکرہ کیا:

﴿يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً﴾

تو اس کے بعد کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کیا، اتنا فرمایا:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾

رب کی تسبیح بیان کر دیجیے۔ یعنی یہ رب کی تسبیح، کتنی بڑی نعمت کے ملنے کے بعد پھر اللہ نے اس کا مطالبہ کیا۔ تو جب بھی کوئی نعمت ملے تو انسان اللہ کی تسبیح بیان کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں تیس مقامات ایسے ہیں جہاں یہ لفظ کسی نہ کسی صورت میں آیا ہے۔ کہیں فرمایا: سبح للہ کہیں: یسبح کہیں: فسبح کہیں سبحان تو

مختلف صورتوں میں قرآن مجید میں تیس مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا، اس لیے یہ ذکر کرنا انسان کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔

## وَ بِحَمْدِهٖ

اس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، یعنی اس کے کمالات کا اظہار ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ وجہ یہ ہے کہ صرف نقائص سے تنزیہہ بیان کرنا یہ کسی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ فرض کریں کوئی اگر بادشاہ کے بارے میں کہے کہ جی یہ چمار نہیں ہے، بھائی اس نے تنزیہہ تو بیان کر دی لیکن بادشاہ کی عظمت بیان کرنے کے لیے یہ تنزیہہ کافی تو نہیں ہے۔ اوجی! بادشاہ میراثی نہیں ہے۔ بھائی تنزیہہ تو بیان کر رہے ہو مگر اس کی عظمت تو ظاہر نہیں ہو رہی۔ ہاں یہ بھی ضروری تھا کہ تنزیہہ ہوتی مگر اس کے ساتھ تعریف کا ہونا بھی ضروری ہے۔ تو اس لیے جب ہم نے کہا: سبحان اللہ، تو ہر عیب سے ہم نے تنزیہہ کا اقرار تو کر لیا مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے بات یہیں مکمل نہیں ہوتی۔ وَبِحَمْدِهٖ کو لا کر اب بات کو مکمل کرو۔ اسی لیے فرمایا:
سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اللہ رب العزت پاک ہیں، سب تعریفیں اس کے لیے ہیں۔

اچھا سبحان اللہ اور وبحمدہ میں واؤ لے کر آئے ہیں۔ اس واؤ پر محدثین نے لمبا کلام کیا ہے کہ وعاطفہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے۔ مگر وقت کی مناسبت سے نچوڑ یہ ہے کہ یہ واو حالیہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی ایک مجلس میں آ کر کہہ دے: بادشاہ میراثی نہیں، چمار نہیں، اور چلا جائے تو بھائی جب تک ساتھ ہی تعریف نہیں کرے گا اس وقت تو اس کو غصہ آئے گا کہ یہ کیا کہہ گیا ہے۔ تو ان دونوں کو وحالیہ سے جوڑ دیا گیا کہ اے اللہ! جس حال میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ تمام نقائص سے پاک ہیں، اسی حال میں اقرار بھی کر رہا ہوں کہ آپ بڑی شان والے ہیں۔ تو فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ

بِحَمْدِہٖ۔

## تخلیہ اور تحلیہ:

اب اس میں تقدیم اور تاخیر کا بھی معاملہ ہے وہ کیسے کہ مقولہ ہے:
اَلتَّخْلِیَۃُ مُقَدَّمَۃٌ عَلَی التَّحْلِیَۃِ

''تخلیہ تحلیہ کا مقدمہ ہے''

کہ جب لوگ برتن کلی کرواتے ہیں نا، تو پہلے اس کو نوشادر کے ساتھ گرم کر کے اچھی طرح صاف کرتے ہیں، تا کہ سارا زنگ اتر جائے تو اس کو کہتے ہیں صفائی کرنا۔ تو صفائی پہلے ہوتی ہے اور جب صاف ہو جاتا ہے تو اس پر کلی چڑھا دیتے ہیں۔ اگر صفائی کیے بغیر کلی چڑھائیں گے تو کلی نہیں چڑھے گی۔ تو معلوم ہوا کہ تَخَلِّیْ عَنِ الرَّذَائِلِ پہلے ہوتی ہے اور تَحَلِّیْ بِالْفَضَائِلْ بعد میں ہوتی ہے۔ اور دیکھو! اس فقرے میں بھی یہی کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ اس میں تَخَلِّیْ عَنِ الرَّذَائِلِ دوسرا کلمہ وَ بِحَمْدِہٖ اس میں تَحَلِّیْ بِالْفَضَائِلِ ہے۔ تو پہلا فقرہ ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ۔

## سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

یہ دوسرا فقرہ ہے، یعنی کلمتان میں سے دوسرا کلمہ ہے۔

اس میں سُبْحَانَ اللّٰہِ کو مکرر لائے ہیں۔ اب کسی چیز کو مکرر لاتے ہیں تو اس کی اہمیت بتانی مقصود ہوتی ہے کہ کسی چیز کی اہمیت کو اجاگر کرنا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو اتنا ناپسند کرتے ہیں اور اس تنزیہ کو اتنا پسند فرماتے ہیں کہ اگرچہ کہنے والا کہہ چکا سُبْحَانَ اللّٰہِ مگر نہیں اب دوسرے فقرے میں ایک دفعہ پھر وہی بول بولے کہ

بندے کو بول سننا پسند آتا ہے۔ تو یہ اللہ کی بھی پسند، تو سبحان اللہ کو مقرر لے آئے لیکن یہاں پر بِحَمْدِہٖ کو مقرر نہیں لائے بلکہ اس کی جگہ لفظ استعمال فرمایا اَلْعَظِیْم۔ تو محدثین نے اس کا جواب دیا کہ اَلْعَظِیْم میں حمد خود موجود ہے۔ بھئی! جب اللہ کو بڑا کہا تو اس لفظ کے کہنے میں حمد خود بخود موجود ہے۔ لہٰذا اَلْعَظِیْم کا لفظ استعمال ہوا۔

## امید اور خوف:

اب گویا یہ جو کلمتان ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام استعمال ہوئے۔ ایک نام اللہ رب العزت کا الرَّحمٰن استعمال ہوا اور ایک لفظ اَلْعَظِیْم استعمال ہوا، یہ بھی اسماء الحسنیٰ میں سے۔ تو اس کلام کے اندر دو وصف اور دونوں اسما بہت سے معارف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کیوں؟ رحمٰن کا لفظ آنے سے انسان کے دل کے اندر امید لگ جاتی ہے کہ وہ رحمٰن ہے، جب اس نے اجر دینا ہے تو بڑا اجر دے گا۔ نیک لوگوں کو یہ امید نہیں لگتی لیکن جو فاسق و فاجر ہم جیسے گناہ گار ہیں تو ان کو بھی امید لگ جاتی ہے کہ وہ رحمٰن ہے۔ رحیم کا لفظ ہوتا تو بات مختلف ہوتی۔

﴿ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۳)

وہ تو ایمان والوں کے ساتھ معاملہ ہوجاتا۔ یہاں تو رحمٰن کا ذکر آیا، رحمٰن اپنے کا بھی پرائے کا بھی، وہ دنیا میں فرمانبردار کو بھی دینے والا ہے وہ دنیا میں غداروں کو بھی دینے والا، تو جب رحمٰن نے دینا ہے تو دل میں امید لگ جاتی ہے کہ وہ رحمٰن ضرور مہربانی فرمائے گا۔

لیکن جب عظیم کا لفظ سنتے ہیں تو عظمتِ الٰہی کی وجہ سے دل لرز جاتا ہے، خوف ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان دو الفاظ کی وجہ سے یہاں پر قاری جو پڑھنے والا ہے اس قاری کے دل میں امید قبولیت کی بھی آجاتی ہے اور رد کرنے کا خوف بھی آجاتا ہے

اس کو کہتے ہیں:

﴿ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ﴾ (بنی اسرائیل:۵۷)

تو دیکھیں ان دونوں اسماء الحسنٰی کی وجہ سے قرآن مجید کی آیت کو سمجھنا کتنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جامع العلوم والحکم میں کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا عام ورد یہی دو کلمے ہوا کرتا تھا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

## براعتِ اختتام:

اب ایک نقطہ اور پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آخیر پر یہ جو تسبیح والی حدیث ہے اس کو کیوں لائے ہیں، اس کو براعتِ اختتام کہتے ہیں۔ براعت کا مطلب ہوتا ہے کمال، یعنی اختتام کا کمال۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اس لیے لائے کہ انہوں نے کہا کہ جہاں بھی پڑھی جائے گی وہ ایک مجلس ہو گی تو ہر مجلس کے اختتام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت ہے کہ تسبیح بیان کی جائے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(( مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا كَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ذٰلِكَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا لَغَطَ فِيْ مَجْلِسِ ذٰلِكَ ))

اس مجلس میں جو بھی خطائیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آخر میں یہ اس لیے لائے کہ بھائی! اس تمام مجلس میں جو ہم سے کوتاہی ہوئی جب ہم اس حدیث پاک کے مطابق تسبیح کو بیان کریں گے تو اللہ ہماری ساری خطاؤں کو معاف فرما دیں گے اور پھر اس میں ایک حکمت اور بھی ہے کہ

ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی ہے اور یہ جو اللہ کی حمد ہے نا یہ مومن کا آخری عمل ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند کہ اس لفظ سے اللہ نے کلام کی ابتدا فرمائی کہ قرآن مجید کا پہلا لفظ الحمد ہے۔

اور مومن کی زندگی کا آخری عمل کیا ہوگا؟ جب وہ جنت میں جائے گا۔

﴿ وَ آخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ (یونس:۱۰)

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب کی آخری بات کو حمد پر لا کے ختم کیا۔

## جمال اور جلال کا امتزاج:

اس آخری حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تسبیح کے کلمات کا ذکر کیا، اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے دو اسماء استعمال ہوئے۔ ایک رحمٰن کا اور ایک عظیم کا۔ اب جو رحمٰن کا لفظ ہے وہ صفتِ جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جو عظیم کا لفظ ہے، وہ صفت جلال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جمال سے محبت پیدا ہوتی ہے اور جلال سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ تو جب محبت اور خوف مل جائیں تو اس کا نام خشیت ہوتا ہے۔

خوف اور خشیت میں کیا فرق ہے؟ خوف ہوتا ہے کہ کسی کے نقصان سے انسان ڈر جائے، مثلاً: سانپ سے ڈرنا، بچھو سے ڈرنا، شیر سے ڈرنا، خوف کہلائے گا۔ ایک ہوتا ہے محبت کی وجہ سے کسی کے ناراض ہونے سے ڈرنا، اس کو خشیت کہتے ہیں۔ دیکھیں! جب شیر سے ڈرتے ہیں تو اس میں محبت تو شامل نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ جب محبت اور خوف دونوں اکٹھے ہو جائیں گے تو اس کیفیت کو خشیت کہیں گے۔ اور طالب علم کو اس خشیت کا زیادہ حامل ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ رب کریم فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

''یہ علما کو بات جچتی ہے کہ وہ اللہ سے زیادہ ڈرنے والے ہوں''

تو معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طلبا کو جتنا علم میں بڑھنا چاہیے استاان کو چاہیے کہ اللہ کی خشیت کو بڑھائیں۔ خشیت کے بغیر جو علم ملے گا وہ نافع علم نہیں کہلائے گا۔ تو علم جتنا بڑھے خشیت اتنی ہی بڑھتی چلی جائے۔

## پہلی اور آخری حدیث میں مناسبت

پہلی اور آخری حدیث میں مناسبت کے لحاظ سے غور کریں تو اس میں بھی کئی نکات ہیں

⊙ ......ایک نکتہ اس میں یہ ہے کہ یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف میں تین مقامات پر آئی ہے۔

......ایک آئی ہے کتاب التوحید میں جو آج پڑھی۔ ہم نے احمد بن اشکاب کی روایت سے۔

......ایک کتاب الدعوات میں زہیر بن حرب کی روایت سے۔

......ایک کتاب الایمان والنزول میں قتیبہ بن سعید کی روایت سے۔

تو تین جگہ وہی حدیث مبارکہ آئی ہے مگر تینوں کے راوی الگ الگ ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن اشکاب والی روایت کو یہاں درج فرمایا۔ اب ذرا جوڑ دیکھیے! کہ پہلی حدیث جو لائے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو اس حدیث پاک کے جو راوی ہیں وہ ہیں حمیدی۔ حمیدی بھی راوی اور ادھر احمد بھی راوی ہیں۔ تو احمد کا مادہ بھی حمد اور حمیدی کا مادہ بھی حمد۔ تو شروع میں بھی حمد اور آخر میں بھی حمد۔ اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باقی دو روایتوں میں سے کوئی روایت یہاں لاتے تو یہ جو لطافت تھی یہ پیدا نہ ہوتی۔ یہ اللہ کی دین ہوتی ہے، اللہ نے ان کے دل میں ڈالا کہ اس کو آخر میں لاؤ گے تو

دیکھنا تمہاری کتاب میں کیا لطافت آ جائے گی۔ تو ابتدا اور انتہا میں آپس میں جوڑ بن جائے گا۔

◉......اس علامہ ناصر الدین ''المتواری'' لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فاتحہ میں اخلاص نیت والی حدیث رکھی اور خاتمہ میں تسبیح والی حدیث رکھی۔ اور یہ دونوں باتیں سنت ہیں کہ انسان عمل کے اندر اخلاص کی نیت پیدا کرے اور عمل کے آخر پر اللہ کی تسبیح بیان کرے۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سنت کی طرف جو میلان تھا اس کو ظاہر کرتا ہے۔

◉......دوسری بات حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فاتحہ میں اخلاص کی حدیث آئی ہے اور اختتام میں عبدیت کا تذکرہ کہ بھائی اخلاص اسی میں ہوگا جو جتنا زیادہ جھکے گا۔ اور خاتمہ کے اندر تطبیق کی وجہ سے شانِ الوہیت کا تذکرہ۔ اور یہی چیز ہم نے بخاری شریف سے سیکھنی ہے کہ ہم بندے ہیں، پروردگار کے حکم کے ہم پابند ہیں اور ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

◉......ایک عجیب نکتہ اور۔ سند کے لحاظ سے دیکھیں تو جو پہلی حدیث ہے وہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے وہ سند کے لحاظ سے غریب کہلاتی ہے اور جو آخری حدیث ہے اس کو بھی بلحاظِ سند غریب کہیں گے۔ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابتدا میں جو حدیث لائے وہ بھی سند کے لحاظ سے غریب اور آخیر میں جو حدیث مبارکہ لائے وہ سند کے لحاظ سے غریب۔ تو وہ طالب علم کو پیغام دینا چاہتے تھے کہ دیکھو!

((بَدَاَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا سَيَعُوْدُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ))

''ابتدا میں اسلام اجنبی تھا، اجنبی ہو کر لوٹے گا پس غرباء کے لیے خوشخبری ہے''

اس لیے کہ طلبا غریب الدیار ہوتے ہیں علم حاصل کرنے کے لیے ماں باپ کو چھوڑنا ہوتا ہے، بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، قبیلے کو چھوڑنا پڑتا ہے، اپنے وطن کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ آپ ذرا غور کریں کوئی کہیں سے چل کے آیا کوئی کہیں سے چل کے آیا، علم کی تلاش میں سب یہاں چل کر آئے ہیں۔

## آخری پیغام:

تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمانا چاہتے تھے کہ عزیز طلبا! آپ غریب الدیار غریب الوطن ہیں، اور یہ علم کی خاطر آپ نے برداشت کیا، گھر سے دور ہونے کی مشقت برداشت کی اور آپ نے اس علم کو حاصل کیا، اب اس پر عمل کر کے اپنے رب کے اجر کے مستحق ہو جائیے۔ اور جب تک یہ عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگا تو اس ساری محنت کا چلت پھرت کا کیا فائدہ نکلا؟ آج وقت ہے اللہ رب العزت سے یہ دعا کرنے کا کہ اللہ! اس علم کی تلاش میں ہم گھروں سے تو نکل آئے لیکن جیسے بن کے رہنا چاہیے تھا ویسے تو ہم بن کے نہ رہ سکے۔ نہ آداب کا خیال رکھ سکے، نہ محنت پوری کر سکے، نہ اخلاص ہمارے اندر اتنا تھا، اے اللہ! اگر آج آپ نے ہمیں اس قبولیت سے نہ نوازا، اللہ! یہ محنت کس کام کی؟ اللہ جانوروں کو دیکھتے ہیں زمین پر بیٹھ بیٹھ کر گھٹنے اور ٹخنوں پہ نشان بن جاتے ہیں، ہم بھی تو چٹائیوں پر بیٹھے رہے، رکوع اور سجود میں اے اللہ! ان کے جسموں پر بھی نشان پڑ گئے، اگر آج تو نے قبول نہ کیا تو ہم میں اور ان جانوروں میں کیا فرق رہا۔

گر گر کے یہاں پہنچے مر مر کے تجھے پایا
چھوٹے نہ الٰہی اب سنگِ درِ جاناناں

ساری دنیا مجھے کہتی ہے سودائی ہے
اب میرا ہوش میں آنا تیری رسوائی ہے

میرے مولیٰ ہم غریب الدیار، غریب الوطن لوگ ہیں، اللہ آپ کے سامنے دامن پھیلاتے ہیں، اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہوئے، آپ کو آپ کے رب ہونے کا واسطہ دیتے ہوئے، اے اللہ! آپ کی عظمت کو دل میں رکھتے ہیں۔ اللہ! مہربانی فرما دیجیے! تھوڑے عمل پر آپ زیادہ دینے والے پروردگار ہیں، ہماری محنتوں کا تھوڑا ہونا ہم مانتے ہیں مگر اس عمل کے اجر کو تھوڑا نہ کر دیجیے گا۔ ہمارے دورۂ حدیث کے سال کی محنت کو قبول کر کے اللہ قیامت کے دن ہمیں ان میں شامل فرمایئے گا، جن کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ ان کو بلا حساب کے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علما کو کھڑا فرمائیں گے: یا معشر العلما اے علما کی جماعت! لم ادا میں نے علم کو تمہارے سینے میں اس لیے نہیں جمع کیا تھا کہ آج تمہیں لوگوں کے سامنے رسوا کروں، جاؤ جنت میں بغیر حساب چلے جاؤ اللہ ہمیں قیامت کے دن انہیں بندوں میں شامل فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر

من وجہک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر